مذہبی و سیاسی باوے

تالیف
مولانا امیر حمزہ



مذہبی و سیاسی باوے

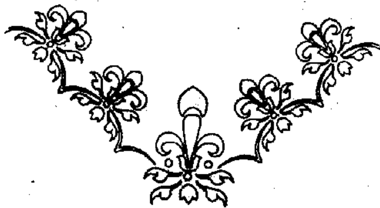
تالیف

امیر حمزہ





دارالاندلس
اسلامی نشرواشاعت کا عالمی مرکز
ملتان روڈ، چوبرجی، لاہور
Ph: 7230549 Fax: 7242639 www.dar-ul-andlus.com



مذہبی و سیاسی باوے

مذہبی وسیاسی باوے

اولیائے کرام کی شان

سندھ میں ''دلٹن شاہ'' کے مزار پر

حیدر آباد میں ننگے ''ولی'' کے بت کی پوجا

نانگے پیر ''ککڑ شاہ'' کے دربار پر!

بابا بھٹو سائیں اور پیر ضیاء الحق کی قبر پر میں نے کیا دیکھا؟

اہل سندھ کا دینی اور دنیاوی استحصال

پیر پگاڑو کی گدی پر

یہ قبے، مزار اور جاگیریں

بوسہ پیر کے پیر خانے پر!

اسلام آباد کا مشکل کشا

بابا دھنکا سے ایک یادگار اور دلچسپ ملاقات

مسنون خطبہ

«اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ ○ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○

---

① آل عمران : ۱۰۲/۳ـ ② النساء : ۱/۴ـ ③ الاحزاب :۷۰/۳۳ـ۷۱ـ
④ صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فى الجمعة :۱۵۳/۶ـ ابوداؤد، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة ـ نسائى، كتاب صلاة العيدين باب كيف الخطبة ـ ابن ماجه، باب اجتناب البدع والجدل ـ دارمى، باب اتباع السنة ـ مسند احمد: ۱۲۷/۴ـ۱۲۶ـ

''بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اس سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفوس کے شر اور اپنی بداعمالیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اپنے در سے دھتکار دے اس کے لیے کوئی رہبر نہیں ہو سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

حمد وصلوٰۃ کے بعد یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (اللہ کے دین میں) اپنی طرف سے نکالے جائیں، دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔''

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس جان سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلایا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے ذریعے (جس کے نام پر) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کو قطع کرنے) سے ڈرو (بچو)۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ایسی بات کہو جو محکم (سیدھی اور سچی) ہو، اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ. اَمَّا بَعْدُ!

''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا (ان کی حرام کردہ کو حرام جان کر اور حلال کردہ کو حلال جان کر) اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں (یعنی اس کے علاوہ کوئی کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینے کا اختیار نہیں رکھتا)۔ اللہ تعالیٰ ان جھوٹے خداؤں سے پاک ہے۔'' (التوبہ : ۳۱)

یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کا علماء و مشائخ کی عقیدت میں حد سے بڑھنا، ان کے اشارۂ ابرو کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور ہر جائز و ناجائز معاملے میں ان کی اطاعت کرنا ان کی عبادت قرار دیا ہے اور اسی کو شرک قرار دے کر انھیں گمراہ کہا ہے۔

آج مسلم معاشرے پر نگاہ دوڑائی جائے تو بالکل یہی منظر نظر آتا ہے، درگاہیں اور آستانے آباد ہیں اور مسجدیں تنہا اور ویران ہیں۔

''مذہبی و سیاسی باوے'' میں مولانا امیر حمزہ حفظہ اللہ نے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ

کر کے وہاں کی درگاہوں اور گدیوں پر ہونے والے شرمناک مناظر کی نشاندہی کی ہے اور پھر کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے۔

کتاب اپنے اسلوب، دلائل اور مشاہدات کے اعتبار سے ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ یہ پہلے بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے، اب بھی اس کی بہت زیادہ مانگ ہے۔

"**دارالاندلس**" اپنی معیاری کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے ساتھ اس کتاب کو دوبارہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ بھائی ابوعمر محمد اشتیاق اصغر اور محمد یوسف سراج نے اس کتاب کی تہذیب وتسہیل کی اور بھائی عبدالخالق نے اس کی کمپوزنگ کی ہے۔ادارہ اس کتاب کو آپ کی خدمت میں اس جذبے سے پیش کر رہا ہے کہ اللہ کرے امت کفر وشرک کی اس موذی بیماری سے نجات حاصل کرے، مذہبی وسیاسی وڈیروں کے چنگل سے نکل کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں آجائے، تاکہ دنیا وآخرت میں کامیابی ان کا مقدر بن جائے۔ (آمین!)

محمد سیف اللہ خالد

مدیر "**دارالاندلس**"

١٣ شعبان ١٤٢٥ ھ

سیمپل اور لیبارٹری

گورنمنٹ کے ہاں ایک وزارت ہے جس کا نام ''وزارت خوراک'' ہے۔ اس وزارت کا ایک انسپکٹر ہوتا ہے، جسے ''فوڈ انسپکٹر'' کہا جاتا ہے۔ فوڈ انسپکٹر کی یہ ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو خالص خوراک ملے تاکہ وہ امراض سے محفوظ رہیں۔ ان کی صحت درست اور قابل رشک رہے۔ چنانچہ دیانتدار فوڈ انسپکٹر کا یہ فرض ہے کہ جب اسے پتا چلے کہ بعض تاجر خوراک میں ملاوٹ کر رہے ہیں یا اصلی چیزوں کی جگہ نقلی چیزیں فروخت کر رہے ہیں تو وہ ان پر چھاپے مارے۔ چنانچہ ذمہ دار اور دیانتدار انسپکٹر چھاپے مارتا ہے اور بے شمار مال میں سے چند سیمپل لے جاتا ہے پھر ان سیمپلوں یعنی نمونوں کو لیبارٹری میں چیک کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں پتا چل جاتا ہے کہ مال اصلی ہے یا نقلی!

قارئین کرام! ہمارے معاشرے میں ایک عرصہ سے پیروں اور مرشدوں کی بہتات ہوگئی ہے، جعلی پیروں کی کہانیاں بھی اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں، چنانچہ اللہ کی توفیق کے ساتھ کہ اس مالک نے کتاب وسنت کے علم سے نوازا ہے، راقم نے بلوچستان اور کراچی کے ساحلوں سے لے کر اسلام آباد اور ''سرحد'' کے پہاڑوں تک پیروں اور ولیوں کے آستانوں کو دیکھا اور بعض سے ملاقاتیں بھی کی ہیں.......... اور اب ان میں سے ۱۰ عدد سیمپل لے کر قرآن کی لیبارٹری میں اور کسوٹی پر تجزیہ کے لیے پیش کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ آپ کو

میری اس کوشش میں سب سے پہلے قرآن کی لیبارٹری میں جانا ہوگا، وہاں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ لیبارٹری کیسی ہے؟ کس قدر اعلیٰ ہے؟ اور یہ ایسی لیبارٹری ہے کہ اُسے مانے بغیر چارہ نہیں، تو اس صورت میں محترم قارئین! 10 عدد نمونے (Samples) اس کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ ان نمونوں کو لیبارٹری میں رکھ کر تجزیہ کیجیے اور دیکھیے کہ ان کے بارے میں قرآنی لیبارٹری کیا کہتی ہے؟

یہ لیبارٹری اگر ان نمونوں کو جعلی قرار دے کر رد کر دے تو پھر بحیثیت ''شرعی انسپکٹر'' آپ سے گزارش کروں گا کہ اللہ کے لیے ان سے پرہیز کر کے اسی طرح اپنا ایمان بچایے کہ جس طرح جعلی خوراک سے پرہیز کر کے آپ اپنی صحت کو محفوظ رکھتے ہیں کیونکہ ایمان کو محفوظ رکھنا حفظانِ صحت کی نسبت کہیں زیادہ ضروری اور لازم ہے۔

آپ کا مخلص اور ہمدرد

امیر حمزہ

نومبر ۱۹۹۸ء

باب اول

اولیائے کرام کی شان

"اے آدم کے بیٹو! جب تمھارے پاس تمھی میں سے رسول آئیں، تمھیں میری آیات سنائیں تو جس نے بھی تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی تو ایسے لوگوں پر نہ ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (الاعراف: ۳۵)

اولیائے کرام کی شان

بعض لوگ توحید وسنت کے علمبرداروں اور خالص قرآن وحدیث کے پیروکاروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ''اولیائے کرام'' کی تعظیم نہیں کرتے، انھیں مانتے نہیں اور یہ کہ ان کی گستاخی کرتے ہیں۔ میں نے ان الزامات کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق کی ہے اور یہ تحقیق اللہ کی کتاب ''قرآن'' سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب نے اٹھاسی (۸۸) مقامات پر ''ولی'' ''اولیاء'' اور ''ولایت'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اسی طرح اولیائے کرام کے لیے بارہ (۱۲) مقامات پر اللہ کی کتاب نے ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کے جملہ کو استعمال فرمایا ہے۔ ہم وہ پوری پوری آیات کہ جن کا اختتام مذکورہ بالا جملے پر ہوتا ہے، وہ درج کر کے واضح کریں گے کہ وہ کون سے ''اولیائے کرام'' ہیں، کون سی صفات کے حامل ہیں کہ جن کے لیے بارہ مقامات پر اس جملے کو استعمال کیا گیا ہے اور یہ کہ انھیں ماننے کا مطلب کیا ہے؟ انھیں کیا مانا جائے اور کیا نہ مانا جائے، ان کی عزت کیا ہے اور توہین کس طرح سے ہوتی ہے؟ اور یہ کہ عزت کرنے والے کون ہوتے ہیں اور توہین کرنے والے کون ہیں......؟؟ ان ساری باتوں کا جواب ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب سے لیتے ہیں کہ جس لاریب کتاب ''قرآن حکیم'' نے سو (۱۰۰) دفعہ مختلف پیرائے میں اولیائے کرام کا تذکرہ کیا ہے۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے کہ اگر آپ نوجوان ہیں تو کئی بار آپ کے ساتھ ایسا ہوا ہوگا کہ کسی بزرگ نے آپ کو بیٹا کہہ دیا۔ اب اس ''بیٹا'' کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اس

کے حقیقی بیٹے ہیں بلکہ یہ محض شفقت کا انداز ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بزرگ آپ کے باپ کی عمر کا ہے اور آپ بزرگ کی اولاد کے مقام پر ہیں۔ اس کے بالکل برعکس اگر کوئی نوجوان ازراہ شرارت آپ کو ''بیٹا'' کہے تو آپ اسے گالی سمجھیں گے اور اپنی والدہ کی توہین خیال کریں گے، چنانچہ لڑائی یقینی ہے۔ پہلے واقعہ پر آپ خوشی و مسرت محسوس کریں گے جبکہ دوسرے موقع پر آپ غیظ و غضب میں مبتلا ہو جائیں گے، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے، ظاہری بول ایک ہی ہے لیکن کرداروں کے فرق نے جملے کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیا۔ یہی معاملہ ''ولی'' کا ہے۔ ولی کا معنیٰ دوست ہے، اب ایسا دوست کہ جو مشکل وقت میں کام آتا ہے، نفع و نقصان کا مالک ہے، بندے کی دستگیری کرنے والا اور نگرانی کرنے والا ہے تو ایسا ''ولی'' صرف اللہ ہے، اس کے علاوہ کوئی ولی نہیں ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾ (البقرۃ:۱۰۷)

''اور اللہ کے علاوہ تمھارے لیے نہ کوئی ولی ہے اور نہ کوئی مددگار۔''

قارئین کرام! یقیناً مذکورہ معنوں میں اللہ کے علاوہ کوئی ولی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اللہ سے کس طرح مخاطب ہو رہے ہیں:

أَنتَ وَلِيُّنَا فَٱغْفِرْ لَنَا وَٱرْحَمْنَا ۖ وَأَنتَ خَيْرُ ٱلْغَٰفِرِينَ ﴿١٥٥﴾ (الاعراف:۱۵۵)

''(اے اللہ) تو ہی ہمارا ولی ہے لہٰذا ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما کیونکہ تو ہی سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔''

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اللہ سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

فَاطِرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّۦ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِى مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِى بِٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١٠١﴾ (یوسف:۱۰۱)

”آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے۔ مجھے مسلمان حالت میں فوت کرنا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرمانا۔“

جناب والا! اب اللہ کے آخری رسول ﷺ کا انداز بھی ملاحظہ کیجیے۔ آپ مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دیتے رہتے، ان کے خودساختہ معبودوں کی بے بسی ثابت کرتے ہوئے انھیں آگاہ فرماتے:

إِنَّ وَلِـِّۧيَ ٱللَّهُ ٱلَّذِي نَزَّلَ ٱلۡكِتَٰبَۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١٩٦﴾

(الاعراف: ۱۹۶)

”بلاشبہ میرا ولی تو وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہی نیک لوگوں کا ولی ہے۔“

قارئین کرام! آگاہ رہیے! جن معنوں میں صرف اللہ ہی ولی ہے اور اس کے سوا دوسرا کوئی ولی نہیں ہے، ان معنوں اور مفہوم میں اگر کوئی شخص کسی بندے کو ”ولی“ بنا دے تو یہ اللہ کے ساتھ شرک ہوگا۔ مثال کے طور پر مشکل وقت میں صرف اللہ ہی کو پکارنا چاہیے، لیکن اگر کوئی شخص کسی بزرگ بندے کو آواز دیتا ہے کہ وہ میری کشتی کو پار لگائے، وہ قبر میں پڑا روحانی قوت سے اسے ساحل پر اتارے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو چیلنج کے انداز میں سمجھاتے ہیں:

إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمۡثَالُكُمۡۖ فَٱدۡعُوهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيبُواْ لَكُمۡ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿١٩٤﴾ (الاعراف: ۱۹۴)

”بلاشبہ وہ لوگ کہ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے ہی بندے ہیں (اچھا) تم انھیں پکار دیکھو پھر چاہیے تو یہ کہ وہ تمھیں جواب بھی دیں اگر تم (اپنے اس دعوے) میں سچے ہو (کہ وہ سنتے ہیں)۔“

قارئین کرام! وہ بندے کہ جنھیں بزرگ، پیر اور ولی مان کر لوگ پکارتے ہیں، تو جب ان پکارنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے بندو! ان ولیوں کی عبادت مت کرو، اولیائے

کرام کو معبود نہ بناؤ تو وہ جھٹ کہہ اٹھتے ہیں:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ﴿٣﴾ (الزمر:۳)

''اور وہ لوگ کہ جنھوں نے اللہ کے علاوہ ولی بنا رکھے ہیں (کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے مگر اصل بات یہ ہے کہ وہ ہمیں اللہ کے بہت قریب کر دیتے ہیں۔''

یعنی اولیائے کرام اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں، وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں اور چونکہ وہ خود اللہ کے بڑے قریب ہیں اس لیے وہ ہماری مدد بھی کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ ان کی بات رد نہیں کرتا اور ہم چونکہ ان کے مرید ہیں اور مرید ہونے کے ناتے وہ ہمارے احوال سے آگاہ بھی ہیں، اس لیے ہماری فریاد ان کے آگے ہے اور ان کی اللہ کے سامنے۔ تو ان عقائد پر اللہ تعالیٰ ضرب شدید لگاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ لَهُم مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ ﴿٤٦﴾ (الشوریٰ:۴۶)

''اور ان کے لیے ایسے ولی نہیں ہیں کہ وہ اللہ کے علاوہ ان کی مدد کریں۔''

یعنی اسباب کے بغیر مدد کو پہنچنے والا تو صرف اللہ ہی ہے، بندوں میں ایسا کوئی ولی نہیں ہے جو یہ مدد کر سکے مگر جو بھی ولیوں کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں، ولیوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں تو پھر دیکھ لیں کہ قرآن کے الفاظ میں ان ولیوں کا ڈیرہ، ان کی پناہ گاہ، ان کا حصار اور قلعہ کس نوعیت کا ہے اور وہ کتنے پانی میں ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ (العنکبوت:۴۱)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا ولی بنا رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سب گھروں میں سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔''

غور فرمائیے! مکڑی کے جالے کی حیثیت کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں، یہ تو ایک ایسا کمزور گھر ہے کہ جو نہ آندھی اور طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ بارش سے بچاؤ کا کام دے سکتا ہے، یعنی اس گھر میں کوئی تحفظ نہیں۔ اسی طرح وہ آستانے اور دربار کہ جہاں لوگ اپنی مشکلات کے لیے جاتے ہیں تو وہ آستانے، دربار اور خانقاہیں ایسے لوگوں کا کچھ بھی تحفظ نہیں کر سکتیں جو مشکلات میں پھنس کر یہاں پناہ لینے آتے ہیں تو اس فرمان الٰہی کی روشنی میں غور وفکر کرنے والوں کو یہ بھی معلوم ہونا ہے کہ بھلا عنکبوت (مکڑی) اپنے اس جال میں پھانس کر کن کو لے جاتی ہے؟

جناب والا! جنھیں یہ شکار کرتی ہے وہ ہیں مکھیاں اور مچھر۔ اب مکھیوں اور مچھروں کا ٹھکانا کہاں ہے؟ یہ بھی سوچو! جہاں تک مکھی کا تعلق ہے تو وہ غلاظت اور فضلے پر بیٹھتی ہے اور جو مچھر ہے وہ گندی نالیوں، جوہڑوں اور متعفن و بدبودار تالابوں میں پرورش پاتا ہے۔ چنانچہ متعفن و بدبودار جگہ پر بیٹھنے والوں کو عنکبوت صاحب اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے اور جو ایک بار پھنس گیا وہ وہیں تھوڑی دیر بعد ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جو کوئی زندہ رہا، اس کی قسمت اچھی ہوئی اور کہیں سے اسے مدد مل گئی تو خلاصی ہو جائے گی وگرنہ یہیں مرنا ہوگا۔

تو جناب والا! ہم بھی عنکبوت کے جال پر قرآن کی ضرب لگا رہے ہیں، قرآن جو کتاب حق ہے، اس کی ضرب کیسی ہے؟ اللہ تعالیٰ تذکرہ فرماتے ہیں:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ (الأنبياء:١٨)

''بلکہ ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں، تب وہ اس کا کچومر نکال دیتا ہے اور

باطل اسی وقت تباہ ہو جاتا ہے اور (یاد رکھو!) جو (اوٹ پٹانگ) باتیں تم (ولیوں کے بارے میں) بتاتے ہو ان سے تمھارے ہی لیے بربادی ہے۔''

قارئین کرام! اس ''ضرب شدید'' کا فائدہ یہ ہوگا کہ مکھیوں اور مچھروں کے ساتھ اگر کوئی تتلی راستہ بھول کر یا انجانے میں عنکبوت کے جال میں جا پھنسی ہے تو اسے رہائی دلا کر دوبارہ گلاب کے پھول پر بٹھا دیا جائے، موسم خزاں سے نکال کر بہار میں لایا جائے، صوفیوں کے سلسلوں اور سلاسل سے نکال کر کتاب و سنت کی طرف لایا جائے، اسے اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾

(البقرة:۲۵۷)

''اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور وہ لوگ جو منکرین (توحید) ہیں، ان کے ولی طاغوت (اہل شرک اور شیطان) ہیں جو انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

یاد رہے! ہر گناہ اندھیرا اور تاریکی ہے کہ جسے ظلم کہا جاتا ہے، گناہ میں مبتلا ہونے والا ظالم ہے مگر جو شرک کا ظلم ہے اسے اللہ نے ''ظلم عظیم'' یعنی سب سے بڑا اندھیرا کہا ہے اور شرک کا اندھیرا مچانے والے ظالم ہیں، ان ظالموں کے ہتھے چڑھنے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ان ظالموں کی طرف معمولی سا بھی مائل نہیں ہونا۔ فرمایا:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾

(ھود:۱۱۳)

''اور جو لوگ ظالم ہیں اُن کی طرف مائل نہ ہونا، نہیں تو تمھیں (جہنم کی) آگ آ لپیٹے گی اور تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی ولی نہ ہو گا، تو پھر تمھیں (کہیں سے بھی) مدد نہ مل سکے گی۔''

قارئین کرام! اب اللہ تعالیٰ کے فرمان کا ایک اور انداز ملاحظہ کیجیے، کل مخلوقات کا ''ولی'' اللہ رب العزت...... اپنے نبی کے ذریعہ ان لوگوں کے کان کھول رہا ہے جنھوں نے اللہ کے علاوہ ولی بنا رکھے ہیں۔ فرمایا:

قُلْ أَفَاتَّخَذْتُم مِّن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ﴿١٦﴾
(الرعد:١٦)

''(میرے رسول!) کہہ دو کہ کیا تم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے ولی بنا رکھے ہیں جو خود اپنے لیے نہ کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا۔''

اور اب آخر میں ایک اعلان ملاحظہ کیجیے کہ جسے ''آیت عزت'' (اعلان عزت) کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے جو ولی بنا رکھے ہیں، وہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ یہ اولیائے کرام اللہ کے ایسے محبوب ہیں کہ اللہ ان کے کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ کہ اللہ نے ان ولیوں کو بعض اختیارات اور طاقتیں سونپ رکھی ہیں یا یہ کہ ولی حضرات اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں...... تو یہ اور اس طرح کی دیگر باتیں اللہ کی عزت اور وقار کے منافی ہیں، اس لیے کہ ان باتوں سے تو اللہ عزوجل کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس کی بڑی توہین اور گستاخی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے اعلان کرواتے ہیں:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾
(بنی اسرائیل:١١١)

''کہہ دو! سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ کوئی اس کی بادشاہت میں شریک ہے اور نہ عاجزی اور ناتوانی ہی کی بنا پر اس کا کوئی ولی ہے چنانچہ اس کی خوب خوب بڑائی بیان کرو۔''

لوگو! اس آیت پر، اس اعلان پر، اس فرمانِ عزت پر بار بار غور کرو اور سوچو! اور جواب دو کہ آخر تم نے اللہ میں کیا کمزوری دیکھی ہے کہ ولیوں کو اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ مان لیا ہے؟ کیا اللہ ان واسطوں، وسیلوں کے بغیر اپنی مخلوق سے رابطہ نہیں رکھ سکتا؟ یقیناً وہ بڑا زبردست اور باریک بین ہے، قوتوں والا ہے، وہ ایسی کمزوریوں سے پاک ہے۔لہٰذا باز آجاؤ! اور اللہ کے اعلانِ عزت کے بعد اللہ کے وقار و عزت کے منافی عقیدہ اور گفتگو سے رک جاؤ۔

اور یاد رکھو! یہ جو لوگوں نے ولایت ولایت کی رٹ لگا رکھی ہے کہ فلاں ولی کو ولایت مل گئی، فلاں ولی کو فلاں چلہ کرنے سے ولایت مل گئی تو ولایت کہ...... جس کا معنی...... اقتدار و اختیار ہے، یہ اقتدار و اختیار اسے کس نے دیا؟ کیا اللہ نے دیا؟ کیا اللہ اپنے اختیارات ان بندوں کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا وہ غوث، قطب، ابدال اور قیوم کے عہدے بنا کر اپنی بادشاہت ان بندوں کے سپرد کر رہا ہے؟ اور کیا وہ خود فارغ ہو گیا ہے؟ استغفر اللہ، نعوذ باللہ، اللہ کی پناہ ایسے خیالات اور فاسد تصورات سے۔ وہ مالک کل تو فرما رہا ہے:

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾ (المؤمنون:١٧)

"ہم (اپنی) مخلوق سے بے خبر نہیں۔"

اور جب ہم بے خبر نہیں تو کسی کو ولایت بانٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ:

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ﴿٤٤﴾ (الکھف:٤٤)

"اب اسے معلوم ہوا کہ مکمل ولایت (اختیار) تو اللہ برحق ہی کو (حاصل) ہے۔"

قارئین کرام! بھلا کسے معلوم ہوا اور کب معلوم ہوا؟ جی! یہ ایک منکر توحید تھا، شرک کرنے والا تھا، اللہ نے اس کے باغ کو تباہ کر دیا تھا۔ اس تباہی کے بعد وہ ہاتھ ملتے ہوئے کہنے لگا:

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ (الکھف:٤٢)

”اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔“

اور جناب! پھر اللہ تعالیٰ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَمْ تَكُن لَّهُۥ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُۥ مِن دُونِ ٱللَّهِ ﴿٤٣﴾ (الکھف:٤٣)

”اس وقت تو اللہ کے سوا (ولیوں کا) کوئی گروہ اس کا مددگار نہ بن سکا۔“

جی ہاں! ثابت شدہ حقیقت یہی ہے کہ ولایت اللہ ہی کے لیے ہے، کسی دوسرے کے پاس کوئی ولایت نہیں ہے۔

مومن بھی ولی ہے:

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ جن معنوں اور مفاہیم میں اللہ تعالیٰ ولی ہے، ان معنوں میں دوسرا کوئی ولی نہیں ہے۔ باقی مومن بھی ولی ہیں مگر وہ ولی ان معنوں میں ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے کام آنے والے، خوشی اور غمی میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے والے ہوتے ہیں اور سب سے بڑی مددگاری یہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پر قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان معنوں میں دیکھیے ان اولیائے کرام کی صفات حمیدہ..... کہ وہ ولی کیسے ہوتے ہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ (التوبة:٧١)

”مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ ہر صورت رحم فرمائے

گا۔ بلاشبہ اللہ غالب، حکمت والا ہے۔"

قارئین کرام! اس فرمان الٰہی سے معلوم ہوا کہ ولی وہ ہے جو:

۱۔ نیکی کی تلقین کرے۔

۲۔ برائی سے روکے۔

۳۔ نماز قائم کرے۔

۴۔ زکوٰۃ ادا کرے۔

۵۔ اللہ کی اطاعت کرے۔

۶۔ رسول کی اطاعت بجا لائے۔

یہ چھ خصوصیات جن میں پائی جائیں وہ ولی ہیں یعنی وہ مومن جو ان خصوصیات کے حامل ہیں وہ ولی ہیں۔ قرآن و حدیث میں یہ کہیں نہیں آیا کہ ولی وہ ہوتے ہیں جن سے کرامات کا ظہور ہو اور جھوٹے سچے قصے ان کے بارے میں معروف ہوں۔ حیرت ہے کہ آج ولیوں کا ایک پورا گروہ پیدا ہو گیا ہے اور بعض ولی نسل در نسل چلتے ہیں۔ باپ مر گیا تو بیٹا گدی نشین بن کر ولی بن گیا۔ پھر پوتا ولی بن گیا، یوں ولیوں کی نسلیں پیدا ہو گئی ہیں اور ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

یاد رکھیے! ولیوں کے ماننے کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص مندرجہ بالا چھ خصوصیات کا حامل ہو، اس کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے کہ وہ اللہ کا ولی ہے۔ باقی ہم کوئی گارنٹی نہیں دے سکتے کہ وہ اللہ کا ولی ہے کیونکہ اللہ اپنے جس بندے کو ولی بنائے گا تو مندرجہ بالا خصوصیات کی بنا پر بنائے گا۔ اس نے کس کو بنایا ہے اور کس کو نہیں بنایا، ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اور یہ یاد رکھیے! ہم جس شخص کے بارے میں حسن ظن رکھ کر اسے اللہ کا ولی یعنی اللہ کا دوست سمجھتے ہیں تو اسے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے، دوسرے معنوں میں قرآن و حدیث کے احکامات کی روشنی میں وہ ہمیں نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو ہم اس کے اس وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھائیں، اس پر

عمل کریں، ایسا کرنے والے کی عزت و توقیر کریں اور اس کا احترام کریں۔

لیکن احترام کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اللہ کا شریک بنا کر اس کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ اس کے مرنے پر اس کی قبر کو عبادت گاہ اور میلا گاہ بنالیں۔ اس بات کو ایک دوسرے انداز سے یوں سمجھیں کہ ماں بھی عورت ہے اور بیوی بھی عورت ہے۔ ماں کا اس قدر بلند مقام ہے کہ اللہ نے قرآن میں متعدد مقامات پر جہاں اپنی بندگی کا ذکر کیا اس کے فوراً بعد ماں باپ کی اطاعت کا تذکرہ کیا۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ نے بندے کو پیدا کیا تو پیدائش کا سبب ماں باپ کو بنایا۔ اللہ نے پھر ان دونوں میں بھی ماں کے مقام کو مقدم رکھا کیونکہ وہ بچے کو نو ماہ تک تکلیف کے باوجود پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ایک نوجوان کو جو نصیحت کی تو ماں کے اکرام کی بات تین بار کی جبکہ باپ کا ذکر ایک بار کیا۔ اب اگر کوئی ناداں یوں کرے کہ بیوی کی محبت میں مبتلا ہو کر اس قدر آگے چلا جائے، اس کی عزت و توقیر میں اس حد تک چلا جائے کہ بیوی کو ماں کہنا شروع کر دے تو کیا ہو گا؟ لامحالہ اس کا نکاح خطرے سے دوچار ہو جائے گا، محض بیوی کو ماں کہنے سے، اب بیوی کے ساتھ وہ خاص تعلق اور رشتہ کھو بیٹھے گا جو خاوند اور بیوی کا ہوتا ہے۔ جناب والا!...... بالکل اسی طرح اگر کوئی مرید اپنے پیر اور مرشد کی محبت میں مبتلا ہو کر اسے ایسا ولی بنا ڈالے کہ اسے مشکل کشا، داتا اور دستگیر کہنا شروع کر دے تو یقیناً اس کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا، وہ شرک کا مرتکب ہو جائے گا۔

ولیوں سے محبت کیجیے!:

میرے پیارے بھائیو! اللہ کے ولیوں سے محبت کیجیے، ضرور کیجیے لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ سورۂ توبہ میں ولیوں کی دی ہوئی پہچان کو سامنے رکھ کر کسی کو ولی خیال کیجیے اور پھر اس سے محبت کیجیے...... اور اس محبت میں بھی یہ خیال ضرور رکھیے کہ محبت بھی کئی طرح کی ہوتی ہے۔ یہ محبت بھی بڑی پاکیزہ ہوتی ہے لیکن یاد رکھیے! بیوی والی محبت ماں سے نہیں کی جاسکتی کہ ماں

سے یہ محبت تو سراسر حرام اور ناپاک ہے۔

جی ہاں! بات سمجھیے! جو اللہ سے محبت ہے وہ بحیثیت معبود اور مسجود کے ہے۔ اللہ کی محبت میں ڈوب کر بندہ اس کے حضور قیام کرتا ہے، رکوع میں جاتا ہے، سجدے میں گرتا ہے، اسے پکارتا ہے، ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرتا ہے، رات کے اندھیرے میں بن دیکھے اس کے ساتھ سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھ کر کہ وہ میرا اللہ میری ہر حرکت اور میرے ہر بول سے آگاہ ہے، وہ میرے ساتھ ہے، میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ عرش پر ہوتے ہوئے بھی اپنے علم کے زور سے ہر بات سے آگاہ ہے۔ اب اگر ایسی محبت کا انداز آپ نے کسی اور کے ساتھ اختیار کرلیا، کسی مومن ولی کے ساتھ اختیار کر لیا تو آپ نے ظلم عظیم کرلیا، محبت میں شرک کا ارتکاب ہو گیا، دوسرے لفظوں میں اللہ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور رسول کریم ﷺ سے محبت کا مطلب آپ ﷺ کی کامل اطاعت ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ))

(تہذیب تاریخ دمشق الکبیر : ۳/۱۴۵)

''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی۔''

اسی طرح ولی کے ساتھ محبت کا مطلب ہے کہ اگر وہ کتاب وسنت کا پیروکار ہے تو اس کی نصیحت کو سنا جائے، وہ کتاب وسنت کا مبلغ ہے تو اس کا ساتھ دیا جائے، اس سے تعاون کیا جائے، دین کی سربلندی کے لیے اس کا ساتھی بن کر اپنا مال خرچ کیا جائے، پسینا بہایا جائے اور خون بھی پیش کرنا پڑے تو وہ بھی پیش کر دیا جائے۔ وہ بیمار ہو تو عیادت کی جائے، تحفہ تحائف پیش کیے جائیں کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ ایسے زندہ ولی سے رب کے حضور دعا کرائی جائے۔ یہ ہے ولی سے محبت اور اسے ماننا۔ بس ماننے ماننے میں فرق ہے، محبت محبت میں فرق ہے۔ ہم کہتے ہیں:

۱۔ رب کو رب مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

۲۔ رسول ﷺ کو رسول مانو اور اس کی اطاعت کرو۔

۳۔ نیک بندوں کو بندے ہی رہنے دو اور دین کی سربلندی کے لیے ان کا ساتھ دو اور اگر وہ فوت ہو چکے ہیں تو ان کے لیے بخشش کی دعا کرو اور ان کے وہ اچھے کام جو کتاب و سنت کے مطابق تھے، انھیں اختیار کرو۔

خوف اور غم:

ان صفات کے حامل جو اللہ کے ولی یعنی دوست ہیں، ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک دو نہیں بارہ مقامات پر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کا اعلان فرمایا ہے۔ لوگ تو صرف ایک آیت پڑھتے ہیں:

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

(یونس: ٦٢)

اور پھر ہم پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں کہ جناب لو دیکھو! یہ تو اولیائے کرام کو مانتے ہی نہیں۔ جی ہاں! ہم مانتے ہیں مگر اس طرح نہیں کہ جس طرح آپ منوانا چاہتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں اس طرح جس طرح رب کا قرآن منواتا ہے۔ تو آیئے! ایک نہیں بارہ مقامات دیکھیے اور غور کیجیے کہ قرآن کس طرح منواتا ہے؟ فرمایا:

پہلا مقام:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾

(البقرة: ٣٨)

”پھر جب تمھارے پاس میری جانب سے ہدایت (قرآن و حدیث) آجائے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ایسے لوگوں پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔“

دوسرا مقام ملاحظہ ہو:

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ (البقرة:١١٢)

''کیوں نہیں! جس کسی نے بھی اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا دیا اور وہ محسن بھی ہے (یعنی سنت مصطفیٰ کا پابند) تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

تیسرا مقام:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾ (البقرة:٢٦٢)

''وہ لوگ جو اپنے مالوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں اور نہ (جسے دیا اسے) ستاتے ہیں۔ ان کے لیے ان کی مزدوری ان کے پروردگار کے ہاں ہے اور (قیامت کے دن) ان پر نہ ڈر ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

چوتھا مقام:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾ (البقرة:٢٧٤)

''وہ لوگ جو اپنے اموال رات اور دن میں کسی بھی وقت، پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی

خوف ہو گا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔"

پانچواں مقام:

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾ (البقرة:٢٧٧)

"بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی اور زکوۃ دی، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غم میں مبتلا ہوں گے۔"

چھٹا مقام:

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلصَّٰبِـُٔونَ وَٱلنَّصَٰرَىٰ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ (المائدة:٦٩)

"بلاشبہ وہ لوگ جو (دل سے نہیں، ظاہری طور پر) ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہوئے اور صابی (بے دین) اور عیسائی ہوئے (غرض ان میں سے) جو کوئی بھی (سچے دل سے) اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو ایسے لوگوں پر بھی نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غم میں مبتلا ہوں گے۔"

ساتواں مقام:

وَمَا نُرْسِلُ ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ فَمَنْ ءَامَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٨﴾ (الانعام:٤٨)

"اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر (اس مقصد کے لیے کہ وہ نیکوں کو) خوشخبری

سنائیں (اور منکروں کو) ڈرائیں۔ پھر جو کوئی ایمان لایا اور (اس نے) اصلاح کی تو ایسے لوگوں پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

آٹھواں مقام:

يَـٰبَنِىٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَـٰتِى فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ (الاعراف:٣٥)

"اے آدم کے بیٹو! جب تمھارے پاس تمہی میں سے رسول آئیں، تمھیں میری آیات سنائیں تو جس نے بھی تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی تو ایسے لوگوں پر نہ ڈر ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

نواں مقام:

إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَـٰمُوا۟ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٣﴾ (الاحقاف:١٣)

"بلاشبہ وہ لوگ کہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ ڈٹ گئے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔"

دسواں مقام:

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ (یونس:٦٢-٦٣)

"خبردار! بلاشبہ اللہ کے جو ولی ہیں ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ کہ جو ایمان لائے اور وہ پرہیزگار رہتے تھے۔"

مزید دو مقامات:

قارئین کرام! ہم نے انہی بارہ مقامات کو درج کرنے کا ارادہ کیا کہ جن کے آخر میں

﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کے جملے آتے ہیں۔ ایسی دس آیات بیان ہو چکی ہیں، آخری دو آیات ذکر کرنے سے پہلے یہاں مزید وضاحت کے لیے ایسے مقامات پیش کیے جا رہے ہیں جن میں خوف اور حزن (غم) کے الفاظ ہی آئے ہیں۔ تو اب ملاحظہ کیجیے یہ دو مقامات! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾ (حم السجدة: ٣٠-٣٢)

"بلا شبہ وہ لوگ کہ جنھوں نے کہا ہمارا رب تو اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) ڈٹ گئے۔ ان پر (رحمت کے) فرشتے نازل ہوتے ہیں (زندگی کی مشکلات میں، دوران دعوت و تبلیغ، جہاد و قتال، مرتے وقت، قبر میں اور قیامت کے دن اور وہ کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ بلکہ خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (ڈر اور غم کی کیا ضرورت) ہم تمھارے ولی (دوست، ساتھی) ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس جنت میں تمھارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تمھارے دل چاہیں گے اور وہاں تمھارے لیے (وہ سب) موجود ہو گا جو تم مانگو گے۔ مہربان اور درگزر کرنے والے (رب) کی طرف سے مہمان نوازی ہو گی۔"

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾ (الزخرف: ٦٧-٦٨)

"اس دن (روز قیامت) پرہیز گاروں کے علاوہ سب دوست ایک دوسرے کے

دشمن بن جائیں گے (متقین سے اللہ تعالیٰ کہیں گے) اے میرے بندو! آج کے دن تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غم زدہ ہی ہو گے۔''

گیارھواں مقام:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

''جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل کر دیے گئے، انھیں مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں سے رزق دیے جا رہے ہیں۔ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور ان لوگوں (مجاہدین) سے بہت خوش ہوتے ہیں جو ان کے پیچھے (دنیا) میں ہیں اور ابھی تک (شہید ہو کر) ان سے ملے نہیں کہ کچھ خوف نہیں ہو گا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔''

بارھواں مقام:

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾ (الاعراف: ۴۹)

''(اللہ اعلان کریں گے) جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ تمھیں کسی غم کا ہی اندیشہ ہے۔''

خلاصۂ کلام:

قارئین کرام! آپ نے بارہ کے علاوہ مزید دو مقامات بھی ملاحظہ فرما لیے......! وہ ولی کہ جسے کوئی خوف اور غم نہیں مندرجہ بالا قرآنی مقامات کے مطابق اسے خوف و غم سے نجات کا مقام تب ملے گا جب وہ:

۱۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کی پیروی کرے گا۔
۲۔ اس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے خم کر دیا اور نیک بن گیا۔
۳۔ اس نے اللہ کے راستے میں مال خرچ کیا پھر نہ احسان جتلایا اور نہ ستایا۔
۴۔ دن رات خفیہ اور اعلانیہ اپنا مال خرچ کیا۔
۵۔ ایمان لایا، نیک عمل کیے، نمازی بنا اور زکوٰۃ ادا کی۔
۶۔ منافق، یہودی، بے دین، عیسائی وغیرہ، وہ جو بھی تھا، تائب ہو کر اللہ پر ایمان لے آیا اور اس نے آخرت کے دن کو مان لیا تو وہ بھی ولیوں کے زمرے میں شامل ہو جائے گا۔
۷۔ جو ایمان لایا اور اس نے اپنی اور لوگوں کی اصلاح کا کام کیا۔
۸۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کو مانا پھر تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی۔
۹۔ اللہ کو رب مان کر پھر اس کی توحید پر، اس کے دین پر ڈٹ گیا۔
۱۰۔ ایمان لایا اور پرہیزگار بن گیا۔
۱۱۔ اللہ کے راستے میں جہاد و قتال کرتے ہوئے جو شہید ہوئے وہ جنتوں میں خوش ہیں اور اس بات پر بھی خوش ہیں کہ ان کے جو ساتھی ان کے پیچھے دعوت و اصلاح اور جہاد و قتال کے راستے پر لگے ہوئے ہیں، جب وہ ان سے آن ملیں گے تو ان کی طرح انھیں بھی نہ خوف ہو گا اور نہ غم۔
۱۲۔ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اعلان فرمائیں گے کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

قارئین کرام! یہ ہیں اولیاء اللہ کی خصوصیات جو قرآن بیان کر رہا ہے اور واضح کر رہا ہے کہ یہ لوگ توحید و سنت کا احیا کرنے والے، اصلاح کا کام کرنے والے، جہاد کرنے والے، جانیں دینے والے اور شہادت کی موت پانے والے ہیں...... جی ہاں! یہ ہیں وہ لوگ کہ جنھیں مظلوم عورتیں، بوڑھے اور بچے کافروں کے ظلم سے تنگ آ کر پکار رہے ہیں، اپنی مدد کے لیے بلا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد کناں ہوتے ہیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾
(النساء: ۷۵)

''اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی ولی بھیج، اپنی جناب سے کوئی مددگار بھیج۔''

اور پھر یہ ولی..... صحیح مسلم میں اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق ((یَطِیْرُ عَلٰی مَتْنِهٖ)) گھوڑے کے دوش پر اڑتا ہوا پہنچتا ہے اور ((یَبْتَغِی الْقَتْلَ وَ الْمَوْتَ مَظَانَّهٗ)) موت کو موت کی جگہوں سے تلاش کرتا ہے۔ شہادت پانے کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔ تو یہ ہیں جناب اللہ کے سچے ولی۔ انھیں کون نہیں مانتا؟ کون ان کی گستاخی کر سکتا ہے؟

اور اب آیئے! پڑھتے ہیں ان ولیوں کی داستانیں کہ جنھیں نہ ماننے کی وجہ سے ہمیں گستاخ کہا جاتا ہے..... آیئے! ملاحظہ کیجیے! اور فیصلہ کیجیے، قرآن کی میزان میں تول کر..... میرے پیارے بھائی! تیرا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے!! میں تیرے لیے اپنے اللہ کریم و رحیم سے دعا گو ہوں کہ وہ تجھے اس فانی دنیا میں ہی اپنے سچے، سُچے اور صحیح ولی کی پہچان کرنے کی توفیق دے۔ (آمین!)



باب دوم

سندھ میں لٹن شاہ کا مزار
اور
مکلی پیروں کی خرافات

(اے میرے نبی!) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے
مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت قبول
کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (القصص : ٥٦)

سندھ میں لٹن شاہ کا مزار اور مکلی پیروں کی خرافات

فحاشی کا شاہ کار منگھا پیر کا دربار:

یہ ۱۹۹۳ء کا رمضان المبارک ہے اور میں کراچی شہر سے باہر ''منگھا پیر'' کے دربار پر کھڑا ہوں۔ پچھلے سال ۱۹۹۲ء کے رمضان المبارک میں میں ایران کے شہر ''شیراز'' میں تھا۔ یہ وہ شہر ہے کہ جس میں تیرہ صدیاں قبل اسلام کا ایک جرنیل محمد بن قاسم رحمہ اللہ خیمہ زن تھا کہ ناگہاں اس کے چچا حجاج بن یوسف کا پیغام اسے کچھ اس طرح موصول ہوا:

> ''دیبل کی بندرگاہ (کہ جو اب کراچی میں پورٹ قاسم کہلاتی ہے) کے قریب مسلمان تاجروں، بیوگان اور یتامیٰ کا مال لوٹ لیا گیا ہے لہٰذا ان لیٹروں اور ان کے سرپرست راجا داہر کو شمشیر جہاد سے سبق سکھا دو۔''

محمد بن قاسم رحمہ اللہ ''شیراز شہر'' سے چلا اور بلوچستان کے علاقے مکران تک آ پہنچا۔ یاد رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور ۲۲ ہجری میں حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے خاران پر قبضے کے ساتھ ہی مکران میں بھی اسلام آ گیا تھا۔ چنانچہ اس حوالے سے بعض مؤرخین نے برصغیر میں ''مکران'' کو ''باب الاسلام'' کہا ہے۔ محمد بن قاسم رحمہ اللہ جب مکران میں آیا تو یہاں کے پانچ ہزار جوان اس نے اپنے لشکر میں شامل کیے اور دیبل کی جانب چل کھڑا ہوا۔ پھر اس نے خشکی

اور سمندر دونوں جانب سے راجا داہر کی ہندو فوج پر حملہ کیا۔ یہ رمضان المبارک ہی کا مہینا تھا کہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے دیبل کو فتح کیا اور یوں رمضان کے مہینے میں جہاد کی برکت سے سندھ کو باب الاسلام بننے کا شرف حاصل ہوا۔

بلوچستان میں اسلام نے قدم رکھا تو جہاد کے زور سے، سندھ میں اسلام داخل ہوا تو قتال کی قوت سے اور قرآن و حدیث کی دعوت سے۔ اب حالات نے رخ بدلا، ایک لمبی مدت گزر گئی اور پھر جب سندھ سے عرب حکومتوں کا وجود مٹا اور باطنی فرقوں کو عروج حاصل ہوا تو اگلے مرحلے میں ان کی قوت کو جس نے توڑا اور وسطی ہند میں سومنات اور متھرا وغیرہ کو تاراج کر کے، ہندوؤں کی قوت ختم کر کے اسلام کا راستہ ہموار کیا، تو وہ غزنی کے سلطان محمود نے کیا اور جہاد کے زور سے کیا۔ سلطان محمود کے بعد سلطان شہاب الدین غوری کو نکال کر برصغیر میں یہ المیہ رونما ہوا کہ ان کے بعد غوری، لودھی اور مغل حکمران آئے تو یہ اپنی بادشاہتوں اور سلطنتوں کے لیے کشور کشائی کرتے رہے۔ اس کے لیے وہ ہندوؤں سے بھی لڑتے رہے اور آپس میں بھی برسر پیکار رہے جبکہ اس دور میں انھیں جو دین ملا تو وہ صوفیوں سے ملا، جو خانقاہوں میں ذکر و اذکار، چلہ کشیوں، تعویذوں اور لنگر خانے جاری کرنے تک محدود تھا۔ چنانچہ مذکورہ بادشاہ بھی دین دار بننے کے لیے یہ کرتے کہ ان خانقاہوں کے نام جاگیریں وقف کر دیتے، گدی نشینوں کے حضور حاضر ہو کر دعا کروا لیتے اور بس!...... چنانچہ وہ دین جو جہاد کی برکت سے بلوچستان اور سندھ میں آیا تھا، اب وہ دین نہ رہا تھا بلکہ دین توحید کی بجائے دین تصوف رائج ہونے لگا۔ مسجدوں کے ساتھ علم حدیث کے مدرسوں کی بجائے خانقاہیں بننا شروع ہو گئیں۔

حدیث کی کتابوں ''کتب ستہ'' کے دروس کی بجائے تصوف کے سلسلے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نظامیہ کی مشقیں جاری ہو گئیں۔ اب صورتحال یہ ہو گئی تھی کہ بزرگوں کے مزارات اور مقبرے ہی مرجع خلائق بن گئے جبکہ ان کے ساتھ مسجدیں محض علامت کے طور پر باقی

رہیں۔ اس صورتحال کے بعد لوگوں کی زبانوں پر یہ کلمہ جاری ہو گیا کہ ''برصغیر میں اسلام ان اولیائے کرام نے پھیلایا ہے۔'' انہی خانقاہوں اور درباروں سے اسلام پھیلا ہے اور چونکہ سندھ ان بزرگوں کا سب سے بڑا اگڑھ تھا، اس لیے آج تک یہی کہا جاتا ہے کہ سندھ اور ملتان ولیوں کی سرزمین ہے، یہ صوفیوں کا وطن ہے اور یہ گدی نشینوں کی وادی ہے۔

سچ ہے یہ موجودہ خانقاہی دین انہی صوفیوں نے پھیلایا ہے، انہی خانقاہی بزرگوں نے اسے رواج دیا ہے اور برصغیر میں ہنوز اسی کا راج ہے۔

قارئین کرام! میں اس خانقاہی دین کے چشم دید حالات و واقعات آپ کی نذر کرتا رہتا ہوں۔ بیشتر احباب کے اصرار پر آج پھر میں ''منگھا پیر'' کے دربار پر ہوں۔ میں کراچی شہر سے باہر بلوچستان کو جانے والے اس راستے پر کھڑا ہوں کہ جہاں سے محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی عرب فوج گزری تھی۔ ہاں تو یہی ہے وہ رمضان کا مہینا مگر اب اس رمضان کے مہینے میں مکران کا علاقہ جو باب الاسلام ہونے میں سندھ سے بھی سبقت رکھتا ہے، اس کے ڈویژنل صدر مقام پر، ''تربت'' شہر کے دامن میں میں نے وہ جگہ دیکھی کہ جہاں ''ذکری فرقہ'' کوہ مراد (پہاڑ) پر رمضان کے مہینے میں حج کرتا ہے۔ اس سے آگے لسبیلہ کے علاقے میں میں نے ایک ایسا دربار بھی دیکھا ہے کہ جو ''لامکان'' کے نام سے معروف ہے۔

صوفیوں نے کتاب وسنت کے عقیدہ کے برعکس اللہ کو لامکان کہہ کر یہ بھی مشہور کیا کہ وہ ہر جگہ خود موجود ہے، حالانکہ قرآن میں صاف طور پر اللہ نے فرمایا ہے:

ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ۝٥ (طٰہٰ:٥)

''رحمن عرش پر جلوہ افروز ہے۔''

باقی وہ اپنی صفات کے اعتبار سے علیم بھی ہے، خبیر بھی ہے اور علام الغیوب بھی ہے لیکن اللہ کو لامکان اور ہر جگہ حاضر کہنا کتاب و سنت کے منافی ہے مگر ان صوفیوں نے اپنا یہ غلط

چسپاں کر دیا ہے اور اسے ''لامکان'' اور ''نورانی نور ہے، ہر بلا دور ہے'' کہہ کر اپنا رب بنا لیا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

لسبیلہ کے بعد دیبل کی طرف آئیں، کراچی کی طرف سفر اختیار کریں تو راستے میں منگھا پیر کا دربار آئے گا۔ منگھا پیر کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ یہ ایک ڈاکو تھا۔ اس نے کراچی شہر سے دور اپنا ڈیرہ لگایا تھا اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس کا مزار بنا دیا گیا۔ اب شیدی قوم اس کی مرید ہے، بلوچستان سے بے شمار لوگ یہاں آتے ہیں۔

مگرمچھوں کی دنیا:

اس دربار میں جو خاص شے دیکھنے والی ہے، وہ یہاں تالاب میں موجود مگرمچھ ہیں، مرید کہتے ہیں کہ یہ بابا پیر کی جوئیں ہیں اور اب یہ بڑی ہو گئی ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کی مخلوق مگرمچھ کو بابا منگھو کے نام منسوب کر دیا ہے۔

میلے کے موقع پر شیدی لوگ بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور پھر اس کا گوشت مگرمچھوں کے سردار مگرمچھ کے منہ میں ڈالتے ہیں، پھر اسے پھولوں کے ہار پہناتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی مگرمچھ مرجاتا ہے تو اسے باقاعدہ غسل دیا جاتا ہے، خوشبوئیں لگائی جاتی ہیں اور غسل دے کر منگھو پیر کی قبر کی چادر کا کفن پہنایا جاتا ہے اور پھر تالاب کے خشک حصے میں تدفین کر دی جاتی ہے۔ یہ تو تھی مگرمچھوں کی دنیا، اب میں آپ کو کچھوؤں کی دنیا کی سیر کراتا ہوں جہاں نام نہاد مسلمان، ہندو اور بدھ سب ایک ہو جاتے ہیں۔

چٹاگانگ میں ''کچھوا'' کی پرستش کے مناظر

ہندو، مسلمان اور بدھ مت ایک ہی دربار پر!!

جس طرح پاکستان کی سب سے بڑی بندرگاہ کراچی شہر ہے، اسی طرح بنگلہ دیش کا سب

سے بڑا ساحلی شہر اور بندرگاہ چٹاگانگ ہے۔ جب راقم بنگلہ دیش کے دورے پر گیا تو چٹاگانگ میں احباب ایک درگاہ پر لے گئے۔ اس درگاہ میں مدفون بزرگ کا نام بایزید بسطامی ہے۔ یہ چٹاگانگ شہر کی ایک بڑی درگاہ ہے۔ ہم جب اس میں داخل ہوئے تو اس کے بڑے صحن میں لوگ قطار میں بیٹھے تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ سب وضو کرنے کے لیے یہاں بیٹھے ہیں مگر جب قریب ہوا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بڑے بڑے کچھوے جنھیں ہمارے ہاں بعض لوگ ''پلیتر'' بھی کہتے ہیں، وہ تالاب کے کنارے تیر رہے تھے اور لوگ انھیں طرح طرح کے کھانے کھلا رہے تھے۔

عجب تبرک، عجیب ترین لوگ!

یہ منظر دیکھنے کے لیے ہم یہاں رک گئے، اب کیا دیکھتے ہیں، ایک عورت جس کے ماتھے پر تلک لگا ہوا تھا، وہ بھی کچھوے کو ڈبل روٹی کھلا رہی تھی۔ اس کی پشت پر محبت اور پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھی اور تالاب کے پانی سے چلو بھر کر پلیتر کے اوپر ڈال رہی تھی۔ وہ پانی جب پھسل کر دوبارہ تالاب میں گرتا تو وہ وہیں سے دوبارہ چلو بھرتی اور اسے اپنے منہ پر ڈال لیتی۔ یہ پانی اس کے ہاں متبرک پانی تھا۔ اس کا منہ اب پوتر (پاک) ہو چکا تھا۔ غرض تلک لگائے ہوئے ہندو عورت اگر یہ سوانگ رچا رہی تھی تو مسلمان عورتیں بھی ایسا ہی کر رہی تھیں کہ ان کی تو پھر یہ اپنی درگاہ تھی۔ ایک مسلمان عورت اس پانی کے چھینٹے اپنی آنکھوں پر مار کر آنکھوں کی بینائی تیز کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اپنے بچوں کے ساتھ بھی وہ یہی عمل دہرا رہی تھی، کچھووں کو کھلا رہی تھی اور ان کا تبرک حاصل کر رہی تھی۔ بدھ متوں کا ایک جوڑا بھی یہاں آیا ہوا تھا، یہ جوڑا کچھووں کے سامنے سے پانی اٹھاتا اور چلو بھر کر پی جاتا۔ غرض یہ ایسی درگاہ تھی کہ جس کے کچھووں کی پوجا ہو رہی تھی اور نام نہاد مسلمان، ہندو اور بدھ سب ہی اس درگاہ کے کچھووں کی پوجا میں مصروف تھے۔

یہ تینوں جب کچھووں سے پیار کر لیتے، انھیں کھلا پلا لیتے، ان کے منہ سے ڈبل روٹی لگا

کر بطور تبرک کھا لیتے اور ان کے سامنے سے پانی پی لیتے تب اٹھ کر حضرت کی زیارت کو چل دیتے۔ اب حضرت بایزید بسطامی کی قبر تک جانے کا اپنا اپنا طریقہ ہے۔ ہندو کا اپنا طریقہ ہے، بدھ مت کا اپنا انداز ہے، جبکہ مسلمان کچھوؤں کے تالاب کے اس متبرک پانی سے وضو کر لیتا ہے۔

ایک آدمی کچھوؤں کے درمیان پانی سے وضو کر رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ وضو کس قدر پاکیزہ عمل ہے مگر یہ کتنے گندے پانی سے کیا جا رہا ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی باتھ روم میں نماز پڑھنا شروع کر دے، کچھوؤں کے تالاب سے وضو کرنا ایسے ہی تھا جیسے کوئی بھنا ہوا تیتر اور گرم گرم حلوہ لیٹرین میں بیٹھ کر کھانا شروع کر دے۔

اب یہ شخص وضو کرنے کے بعد ہندوؤں اور بدھوں کے درمیان سے اٹھا اور درگاہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگا کہ اس ظالم کو بیت اللہ کا رخ بھی بھول گیا۔ غرض قبر کو قبلہ بنا کر اس نے نماز پڑھ ڈالی اور پھر ہندوؤں، بدھوں اور دوسرے لوگوں کی بھیڑ میں چھوٹی سی پہاڑی پر بنی ہوئی درگاہ کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

بایزید کے مزار پر حاضری کی شرائط:

یہاں پیشہ ور بھکاری ملنگوں کا ایک ٹولہ بھی کھڑا تھا۔ ایک ملنگ سے ہم نے پوچھ لیا کہ یہاں ہندو بھی ہیں اور بدھ مت بھی...... اس کی کیا وجہ ہے اور کچھوؤں کی اس قدر تعظیم کا کیا مطلب ہے؟ تو ملنگ بولا:

> ''بابا! تم کیا جانو!...... جسے تم کچھوا کہتے ہو یہ تو آدم سے بھی پہلے کا ہے۔ حضرت بایزید کی درگاہ پر حاضری قبول نہ ہوگی جب تک سرکار کے ان پیاروں سے پیار نہ کیا جائے گا۔ سرکار کی درگاہ پر سب ایک ہو جاتے ہیں۔ یہاں ہندو، مسلم اور بدھ سبھی آتے ہیں اور خیر پاتے ہیں۔''

وہاں پہنچے۔

تالاب عشق میں ۸۰ سال تک غسل معرفت:

وہاں ملنگوں کا ایک غول دکھائی دیا، ان کے جسم سے بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے، ایک ملنگ کے بارے میں بتلایا گیا کہ وہ غالباً اسی (۸۰) سال کی عمر میں فوت ہوا اور کبھی نہایا ہی نہیں تھا، بس وہ سرکار کا مرید تھا، وہ سرکار کے تالاب عشق میں ہر وقت غوطے لگایا کرتا تھا، لہٰذا اسے نہانے کی کیا حاجت تھی اور اب ایسا ہی ایک غول یہاں بیٹھا ہوا تھا، جس کا کام بس سرکار کے تالاب عشق میں غوطے لگانا ہے، معرفت کی دنیا میں نہانا ہے اور یہی وجہ تھی کہ ان سے بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے۔

کچھوے کی جہادی اور عسکری فلاسفی:

اب ہم اس درگاہ سے واپس ہوتے ہوئے، تالاب کے قریب سے گزرے۔ کچھوؤں سے پیار کے مناظر ابھی تک اسی طرح جوبن پر تھے۔ میں کچھ دیر کے لیے وہاں رک گیا، ان کی طرف دیکھنے اور سوچنے لگا...... واہ رے کچھوے! قربان جاؤں میں تیرے بنانے والے پر کہ جس نے بکتر بند گاڑی کی طرح تیرے اوپر گول اور مضبوط خول بنایا۔ جس طرح بکتر بند گاڑی کے پہیوں اور دیگر چیزوں کو ہر جانب سے بند کر کے اسے بیرونی حملہ آور سے محفوظ و مامون بنایا گیا، اسی طرح اے کچھوے! تو جب بیرونی حملے کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو اپنی گردن اور سر کو اپنے محفوظ اور مضبوط خول کے نیچے لے جاتا ہے، اپنے پاؤں کو اوپر چڑھا لیتا ہے۔ غرض تو ایک چھوٹی سی بکتر بند گاڑی ہے جو پانی میں تیرتی پھرتی ہے، خشکی پر چلنا پڑ جائے تو وہاں بھی اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہے۔ انگریز انجینئروں نے تیری طرف دیکھ کر ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں بنا ڈالیں۔ انھوں نے یہ چیزیں ایجاد کیں اور میدانوں میں مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا اور جب شہری آبادیوں نے اٹھنے کی کوشش کی تو بکتر بند گاڑیوں نے سڑکوں پر گشت کر کے مشین گنوں سے بوچھاڑ کر کے آڑے آنے والوں کو بھون کر رکھ دیا۔ تجھ سے

کافروں نے تو یہ سبق لے لیا جبکہ ہمارے لوگ...... آہ! کہ اے اللہ کی بکتر بند گاڑی! تجھے پوجنے لگ گئے...... اور ایسے شروع ہوئے کہ پوجتے ہی چلے جا رہے ہیں، رکنے کا نام ہی نہیں لیتے، لہٰذا ذلیل سے ذلیل تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اچھا! ہم ان شاء اللہ! تیری اور تیرے ہم جنس مگرمچھ، بندر، گائے، کتے، کوے، بلے، گھوڑے وغیرہ کی پوجا سے حضرت انسان کو ہٹانے کی مقدور بھر کوششیں کرتے رہیں گے۔ (ان شاء اللہ!)

کچھوؤں کی دنیا کی مختصر جھلک کے بعد اب ہم آپ کو دوبارہ پیر منگھو کے دربار پر مگرمچھوں کی دنیا میں لیے چلتے ہیں......

ہم کراچی میں اس تالاب کے کنارے منگھو بابا کے دربار پر کھڑے ان مگرمچھوں کو دیکھ رہے تھے، دربار کے زائرین بھی یہاں موجود تھے، وہ دعائیں کرنے میں مصروف تھے۔

وہ انسان جو پانی کی ایک مخلوق کو بابے کی جوئیں قرار دے کر اس کی پوجا کرنے میں مگن ہے، یہ وہ انسان ہے کہ جس پر جانور بھی، جو صرف اور صرف اللہ کی عبادت بجا لاتے ہیں، ہنستے ہوں گے کہ یہ کیسے انسان ہیں جو ہم جانوروں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مانے ہوئے ہیں۔ سچ کہا قرآن نے:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ﴿١٧٩﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

”یہ (انسان) تو جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔“

جہادی راہوں پر خانقاہی نشانات:

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا جو لشکر شیراز سے مکران آیا اور پھر مکران سے دیبل (موجودہ کراچی) میں خشکی کے راستے ساحل کے ساتھ ساتھ آیا، اب اس راستے پر قبر پرستی کا چلن ہے، کراچی شہر میں داخل ہونے سے چار پانچ کلو میٹر پہلے ”جوؤں والے منگھا پیر“ سے واسطہ پڑتا ہے، تب کراچی شہر میں داخلہ ہوتا ہے...... اسی طرح محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے لشکر کے جس حصے نے سمندر کے راستے دیبل پر حملہ کیا اب وہاں کلفٹن ایسے خوبصورت تفریحی مقام میں

ایک پہاڑی چٹان پر عبداللہ شاہ غازی کا دربار بنا دیا گیا ہے، جن کا میلہ ۲۱ اور ۲۲ ذی الحجہ کو لگتا ہے۔ یعنی جو شخص سمندر سے باب الاسلام میں داخل ہو، ۱۰ ذی الحجہ کو مکہ میں حج کر کے دیبل کے ساحل پر آئے تو ۲۰ ذی الحجہ کو منائے جانے والے عرس سے اس کا واسطہ پڑتا ہے...... اور پھر ہر کوئی کیوں نہ یہ سمجھے کہ اسلام تو صوفیاء نے پھیلایا ہے، اس لیے کہ ہر موڑ پر اور ہر اہم مقام پر یہی دربار اور خانقاہیں دکھائی دیتی ہیں۔ تو یہ ہے اسلام اور اسلام کی چوٹی (جہاد) کے خلاف سازش جو علامہ اقبال کے بقول ابلیس کی مجلس شوریٰ میں تیار ہوئی اور اس سازش کو کامیاب کرنے کے لیے ابلیس نے اپنے ساتھیوں کو یہ مشورہ دیا کہ

مست رکھو ذکر و فکر و صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

سوا لاکھ ولیوں کے مسکن میں

کراچی میں ولیوں اور ان کے مزاروں کا کوئی شمار نہیں، یہاں ایک سے بڑھ کر ایک دربار ہے مگر ہم نے سب سے بڑے ان دو درباروں ہی کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جو محمد بن قاسم کے بری اور بحری دو جہادی راستوں پر طریق تصوف کے ناکے لگائے ہوئے ہیں۔ اب ہم ٹھٹھہ شہر کے قریب لب سڑک ایک ایسے قبرستان میں موجود ہیں کہ جسے لوگ ایشیا کا سب سے بڑا قبرستان کہتے ہیں، یہ قبرستان تقریباً چودہ پندرہ کلو میٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ بڑا قدیم قبرستان ہے۔ اس کے صدر دروازے پر لکھا ہے ''مکلی کا شہر خموشاں''۔ ''مکلی'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک بزرگ حج پر جا رہے تھے، جب انھوں نے راستے میں ایک رات یہاں سوا لاکھ ولیوں کے مسکن میں سیر کی اور تجلیات و انوار کا مشاہدہ کیا تو ان کی زبان پر بے ساختہ یہ کلمہ جاری ہو گیا ''هٰذَا مَكَّةٌ لِیْ'' میرا تو یہی مکہ ہے۔ چنانچہ ''مکة لی'' کثرت استعمال سے مکلی ہو گیا۔ جس کا مطلب ہے کہ ''میرا تو مکہ یہی ہے'' یعنی جو یہاں آجائے سوا

لاکھ ولیوں کے مسکن میں، تو اسے اب مکہ جانے کی کیا ضرورت ہے!! وہ اسی وسیع و عریض قبرستان میں قبروں کو پوجتا رہے۔ ایسے بدقسمت جب کہیں مکہ پہنچ بھی جاتے ہیں تو وہاں بھی پرستش کے لیے قبریں ہی ڈھونڈتے ہیں۔ یہ قبر پرستی ان کے ذہنوں پر اس قدر سوار ہوتی ہے کہ کئی لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے بھی یہ پوچھتے پھرتے ہیں کہ یہ کس بزرگ کا دربار ہے کہ جس کے گرد ہم گھوم رہے ہیں۔ (استغفر اللہ!)

مکلی کا سب سے بڑا ولی عبداللہ شاہ اصحابی:

ہمارا وفد پانچ ساتھیوں جمیل راہی، منظور احمد، محمد اسلم، بھائی محمد اور راقم پر مشتمل تھا جبکہ حیدر آباد سے کچھ ساتھی بھائی ہارون وغیرہ بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ ان میں برادرم ابو آفتاب عبداللہ اصحابی کے دربار پر بہت آیا کرتے تھے۔ اب اللہ نے ان کے سینے کو کتاب وسنت کے نور سے منور کر دیا ہے۔ آفتاب کو ہدایت کیسے ملی؟ یہ سوال جب میں نے اپنے اس بھائی سے کیا تو وہ کہنے لگے: ''میری ہدایت کا باعث یہی دربار بنا۔'' میں نے تعجب سے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' تو کہنے لگے:

> ''یہاں جو حرکات میں دیکھتا تھا، فحاشی کے مناظر ملاحظہ کرتا تھا اور اوٹ پٹانگ قصے کہانیاں سنتا تھا تو آخر ایک روز انہی خرافات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کیا وہ دین جسے اللہ کے رسول ﷺ لائے تھے اور جس نے پوری دنیا میں انقلاب بپا کر دیا تھا، وہ یہی ہے؟......اگر وہ دین یہی ہے تو پھر اسے ماننے سے تو میں رہا۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے تحقیق شروع کی، قرآن کا مطالعہ شروع کیا اور پھر یوں اللہ نے میری ہدایت کے دروازے کھول دیے اور اب الحمدللہ میں کتاب وسنت کا متبع ہوں۔
>
> جب میں اس دربار پر آیا کرتا تھا تب میں حیدر آباد کے شاہی محلے میں بھی گھوما کرتا تھا۔ اب جب اللہ نے مجھے ہدایت دی تو میں نے دعوت کا کام بھی شروع کر

دیا۔ میں نے اپنے کام کی ابتدا شاہی محلے میں انہی چوبارے والیوں سے کی کہ جن کے پاس میں جایا کرتا تھا۔ یہ اللہ کا خاص احسان ہے کہ میں اپنی اس دعوت سے کئی لڑکیوں کو اس گندے ماحول سے نکال چکا ہوں۔ ایک لڑکی کی شادی پنجاب کے ایک شہر میں ہو چکی ہے، ایک لڑکی کراچی میں ہے۔ اس کے ہاں اب بچے بھی ہیں اور یہ سب نہ صرف یہ کہ اس گندے شیطانی ماحول سے نکلی ہیں بلکہ انھوں نے درباری اور خانقاہی مذہب کو چھوڑ کر کتاب وسنت کے صاف ستھرے عقیدے کو بھی اپنا لیا ہے اگر آپ چاہیں تو کراچی میں میں آپ کی ملاقات ان کے خاوندوں سے بھی کروا سکتا ہوں جو موحد نوجوان ہیں۔''

قارئین کرام! اب مکلی کے سوا لاکھ ولیوں کی داستانیں ملاحظہ فرمائیں، سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی یہ داستانیں جو لوگوں میں مشہور ہیں، ہمیں ان میں سے بعض تو بھائی ابو آفتاب کی زبانی معلوم ہوئی ہیں، کچھ یہاں آنے والوں سے اور اکثر اس دربار کے خطیب مولوی طفیل احمد سے کہ جنھوں نے بعض باتیں تو زبانی بتلائیں اور تحریر تفصیلات کے لیے انھوں نے مکلی کے ولیوں کے حالات پر مشتمل کتاب دی کہ جس کے پانچ حصے ہیں اور اس کا نام ''تحفۃ الزائرین'' ہے۔ تو لیجیے! شرک کے بے سروپا اور جھوٹ کے یہ پلندے ملاحظہ کیجیے! شاید کہ ابو آفتاب کی طرح یہ کسی اللہ کے بندے کی ہدایت کا باعث بن جائیں!

رسول اللہ ﷺ کے نو سو سال بعد پیدا ہونے والا جب صحابی بن گیا:

جناب طفیل صاحب لکھتے ہیں:

''آپ (پیر عبداللہ شاہ) ۹۲۷ ہجری میں بغداد شریف سے، گجرات کے راستہ سے سرزمین سندھ میں تشریف لائے۔ آپ چودھویں پشت میں غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتے ہیں۔ شہنشاہ مکلی سید عبداللہ شاہ اصحابی کو حضور ﷺ سے خاص قرب حاصل تھا۔ جس مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہوتی یا جس حدیث شریف

کی تصحیح کی ضرورت محسوس ہوتی تو براہ راست نور مجسم حضور اکرم ﷺ سے بالمشافہ عرض کر کے تحقیق اور تصحیح کر لیتے۔''

پیر کے استقبال کے لیے رسول اللہ ﷺ سندھ پہنچ گئے!!

جناب طفیل صاحب مزید لکھتے ہیں:

''جب بابا اصحابی کی زندگی کی آخری گھڑیاں تھیں اور کئی دن سے آپ بستر علالت پر صاحب فراش تھے تو آپ نے حجرہ شریف کو دھلوانے اور فرش کو خوب اچھی طرح صاف کرنے اور پورے حجرے کو خوب اچھی طرح معطر کرنے کا حکم دیا۔ حجرہ شریف سجانے کے بعد آپ اور آپ کے دونوں صاحبزادوں کے علاوہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دی گئی، پھر آپ مع دونوں صاحبزادوں کے خلوت پذیر ہوئے۔ اچانک فخر موجودات ﷺ اپنے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اور نواسگان رضی اللہ عنہم اور حضور غوث الاعظم سمیت حجرہ شریف کے اندر جلوہ افروز ہوئے۔ بابا اصحابی اپنے صاحبزادوں سمیت کھڑے ہوئے، قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور عرض کی:

''زہے نصیب اس غلام کے غم کدہ کو آپ نے اپنے مبارک اور نورانی قدموں سے منور فرمایا اور آپ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم نے میرے نصیب کو بالا کر دیا۔'' تو سرکار دو جہاں نے فرمایا: ''بیٹا! میں تیرے استقبال کے لیے آیا ہوں۔''

اس واقعہ کی اتنی شہرت ہوئی کہ آپ بجائے ''عبداللہ شاہ جیلانی'' کے لوگوں کی زبان پر ''سید عبداللہ شاہ اصحابی'' مشہور ہو گئے۔''

قارئین کرام! مولوی محمد طفیل صاحب کی تحریر کہ جسے انھوں نے سندھ کے مؤرخ میر شیر علی قانع ٹھٹھوی کی کتاب سے نقل کیا ہے، اس پر غور فرمائیں تو پہلی بات یہ معلوم ہو گی کہ یہ صوفی لوگ کتب ستہ اور حدیث کی صحیح ترین کتابیں بخاری اور مسلم سے بے نیاز ہیں، اسماء الرجال کی انھیں ضرورت نہیں، کیونکہ انھیں سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ آ کر بتلا جاتے ہیں

اور وہ بھی خواب میں نہیں بلکہ حالت بیداری میں۔ اب کھلی چھٹی مل گئی کہ ولایت کا دعویٰ کر کے کوئی جیسا چاہے اپنا دین بنائے اور اسے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر دے اور پھر ظلم یہ کہ وہ صحابی بن جائے، مزید گستاخی یہ کہ جب وہ تصوف کی زبان میں پردہ کرنے لگے یعنی مرنے لگے تو اس کے استقبال کو اللہ کے رسول ﷺ مع صحابہ آئیں پھر یہ گستاخیاں کتابوں میں چھپ جائیں، زبان زدعام ہو جائیں اور جب ہم جیسا کوئی ان گستاخیوں پر متنبہ کرے، کتاب وسنت کی طرف لوٹنے کی دعوت دے تو وہ وہابی قرار پائے۔ جی ہاں! گستاخ رسول ﷺ اور بزرگوں کو نہ ماننے والے کے لقب سے نوازا جائے۔......ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم تو دین و دنیا کے مسائل کے لیے قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں، باہم مشورے کریں، اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تو نہ آئیں مگر نو سو سال بعد آپ ﷺ بابا عبداللہ کو آ کر سب مسائل بتلا جائیں اور وہ بھی حالت بیداری میں!!!

جب ”مزار“ زمین سے اوپر کو ابھرنا شروع ہوا:

تصوف جو کرشموں اور طلسمات کی دنیا ہے، اس کا ایک کرشمہ ملاحظہ فرمایے:

”بابا اصحابی کے پردہ کرنے کے بہت عرصہ بعد آپ کا مزار شریف منہدم ہو کرناپید ہو چکا تھا، اس اثناء میں حافظ عبداللہ شاہ گجراتی کو (عبدالقادر جیلانی کی) بشارت ہوئی کہ ”میری اولاد کی مبارک قبر مکلی ٹھٹھہ میں واقع ہے، اسے نمودار کرو۔“

چنانچہ مراقبہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ پورے مکلی کے اولیائے کرام کی محفل لگی ہوئی ہے اور سب کی صدارت سیدالاولیاء سید عبداللہ شاہ اصحابی فرما رہے ہیں، مراقبہ سے فارغ ہو کر آپ سب کو لے کر مکلی کی طرف روانہ ہوئے اور آ کر (اپنے) مزار مقدس کو نمودار کیا۔ جب قد آدم کے برابر ہوا تو اور بڑھنا شروع ہوا۔“

قارئین کرام! یہ مزار تو بقول ان کے ابھر چکا، نمودار ہو چکا مگر اب یہاں جو کچھ نمودار ہوتا ہے اس سے تو شاید شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا کہ جب ۱۳، ۱۴اور ۱۵شعبان کو یہاں بابا کا عرس ہوتا ہے مگر آج جب ہم بابا کے دربار پر پہنچے تو یہ عرس کا دن نہ تھا۔ ایک عام دن تھا، اس کے باوجود کافی تعداد میں لوگ موجود تھے۔

بال کھولے گریبان چاک کیے، ایک لڑکی:

ایک نوجوان لڑکی اپنے بال کھولے ہوئے، گریباں چاک کیے ہوئے، دیوانہ وار بابے کے دربار پر کبھی اس طرف دوڑ کر چلی جاتی، کبھی کھڑکی کے سریے کو تھام لیتی اور صحابی بابا کا نام چیخ کر پکارتی۔ لوگ یہ منظر ملاحظہ کر رہے تھے، اس کے علاوہ جنھیں جادو اور جنات کا مرض ہوتا ہے، وہ بھی یہاں آتے ہیں اور کیا مرد اور کیا جوان عورتیں سب مداریوں کی طرح بازیاں لگاتے ہیں اور پھر ایک جم غفیر ہوتا ہے جو یہ بازیاں ملاحظہ کرتا ہے۔

”لڑکی یہاں چھوڑ جاؤ! جن نکال دیں گے“ مجاوروں کی یقین دہانی:

ہم نے دیکھا کہ ایک اچھا خاصا کھاتا پیتا گھرانہ اپنی نوجوان بچی کو یہاں لایا اور اس نے دربار کے مجاوروں سے کہا:

”اس بچی کو جنات کی کسر ہے۔“

انھوں نے کہا:

”یہاں چھوڑ جاؤ!! ٹھیک ہو جائے گی۔“

محکمہ اوقاف کی ایک ملازمہ بھی یہاں موجود تھی، جب ہم نے واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے اس سے تعجب کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگی:

”یہاں ایسے ہی ہوتا ہے اور جو بھی آتی ہے یہاں رہ کر ٹھیک ہو جاتی ہے۔“

اس خرانٹ عورت کے اشارے اور انداز تکلم بتلا رہا تھا کہ یہ لڑکیاں پھر ہٹے کٹے مجاوروں کے ہاتھوں ٹھیک ہوتی ہیں۔

آہ...... آج سے تیرہ سو سال قبل جب محمد بن قاسم رحمہ اللہ یہاں آیا تھا تو اس نے ہندوؤں کے مندروں سے ہزاروں ہندو لڑکیوں کو آزاد کیا کہ جنھیں ہندوؤں نے مندروں کی نذر کر دیا تھا اور پنڈت انھیں دیو داسیاں قرار دے کر ان کی عزت و آبرو کے مالک بن بیٹھتے تھے...... آج پھر ابن قاسم رحمہ اللہ کے دیس میں، تقدس کے پردے میں، مگر اسلام کے نام پر ہم وہی حرکتیں دیکھ رہے تھے، خانقاہی دربار کی نموداری کے ابھار ملاحظہ کر رہے تھے کہ جنھیں ہم نے ابن قاسم بن کر مٹایا تھا۔

یہ درباری چلن ہے کہ صاحب دربار کے درباری صحن میں اس کی اولاد جو تقدس کا روپ دھار کر خانقاہی خلافت کی وارث اور سجادہ نشین بن کر فوت ہوتی ہے، اس کی قبریں بھی موجود ہوتی ہیں، زائرین بڑی قبر کے بعد ان چھوٹی قبروں کی خاک بھی چھانتے ہیں کہ شاید یہیں سے کچھ مل جائے اور اس ''شاید'' کے چکر میں وہ بیسیوں دربار گھومتے ہیں اور ہر چوکھٹ پر اپنا سر جھکاتے چلے جاتے ہیں۔

شرک کی دلدل میں لت پت ایک عورت کو جب دعوت توحید دی تو......:

صحن میں ایسی ہی چھوٹی قبروں میں سے ایک قدرے بڑی قبر تھی۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اس قبر کے جنگلے کے ساتھ ایک تیرہ چودہ سالہ بچہ لوہے کی زنجیر کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اب میں اپنے ساتھیوں سمیت اس بچے کی جانب چل دیا کہ اس سے بات کروں مگر وہ کوئی بات نہ کرتا تھا...... آخر اس نے پیسے مانگے، ہم نے پیسے دے دیے اور جب ہم نے پوچھا: ''تیرا سنگل اتار دیں؟'' تو وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگا۔ شاید وہ کہہ رہا تھا کہ میں بھلا آزاد بھی ہو سکتا ہوں؟ اتنے میں اس کا بھائی اور ماں بھی آ گئی۔ اب اس کی ماں سے میں نے پوچھا: ''اسے کیوں باندھ رکھا ہے؟''

تو وہ کہنے لگی:

''یہ پاگل ہو گیا ہے، کسی نے حسد کر کے ہم پر جادو کر دیا ہے، تعویذ ڈال دیا ہے،

اسے بابا کے پاس لائی ہوں، تین ماہ سے اسے باندھ رکھا ہے، یہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

میں نے اسے سمجھایا کہ اسے ہسپتال لے جاؤ، ڈاکٹر کو دکھلاؤ مگر وہ نہ مانی۔ پھر میں نے اسے کہا کہ اچھا تم یوں کرو کہ پانچ وقت نماز پڑھو، مشکل کشا صرف اللہ کو سمجھو، کسی سے امیدیں مت لگاؤ، پچھلی رات اٹھ کر تہجد پڑھو، اللہ کے حضور رو رو کر دعا مانگو اور کہو کہ اے اللہ! سب درباروں سے مایوس ہوگئی ہوں، اب صرف تیری جناب میں آ گئی ہوں، ہمارے گناہ معاف کر دے اور اسے ٹھیک کر دے اور پھر "معوذتین" پڑھ کر اسے دم کر دیا کر، یہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو جائے گا۔

میری اتنی تقریر کے بعد وہ اللہ کی بندی کہنے لگی: "اچھا! وہ بابا فضل کا دربار کہاں ہے؟"

اف اللہ! میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا...... کہ اس عورت کے ذہن میں نہ جانے کتنے بابے ہیں کہ کچھ بھی کہا جائے مگر اسے بابا ہی یاد آتا ہے۔ بہر حال اب ہم اس دربار سے نکل کھڑے ہوئے کہ جسے لوگ اصحابی بابا کہتے ہیں۔ دربار پر بھی اصحابی لکھا ہوا ہے حالانکہ عربی میں یہ جمع کا لفظ ہے، جس کا مطلب بنتا ہے "میرے صحابہ" مگر طریقت کا علم سے کیا تعلق کہ اس کے اپنے طریقے اور اپنے ہی چلن ہیں۔ اب ہم چل دیے ایک ایسے دربار کی جانب کہ جسے ننگ دین اور ننگ انسانیت کہنا چاہیے۔ یہ دربار جس بابا کا ہے اس کا نام ہے لٹن شاہ!

"لٹن شاہ"

سوا لاکھ ولیوں کے مسکن میں اب ہم "حضرت لٹن شاہ" کے دربار کی جانب چل دیے۔ گاڑی کا اس طرف جانا تو مشکل تھا چنانچہ پیدل ہی چل دیے اور کافی دیر چلنے کے بعد ہم لٹن شاہ کے دربار پر پہنچ گئے۔ بعد میں بھائی محمد بھی گاڑی لے کر جھاڑیوں اور پتھریلی زمین سے

بغیر چارہ نہ تھا۔ بہر حال انھیں دیکھ لیا، سجادہ نشین سے باتیں بھی کر لیں، ہنس ہنس کر ہم سب لوٹ پوٹ بھی ہو گئے۔ مگر اب جو وقت آیا ہے قلم تھامنے کا اور جو دیکھا اور سنا، اسے صفحہ قرطاس پر لکھنے کا ...... تو اب قلم بار بار دانتوں میں دبا لیتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ لکھوں تو کیسے لکھوں؟ میں فحاشی کو حیا کا لباس کیسے پہناؤں!! بے شرمی کو شرم کا جامہ کیونکر زیب تن کراؤں؟ میں لٹن شاہ کی وہ کرامت آخر کیسے لکھوں کہ جس سے شرف انسانیت لٹ جائے اور ہندوؤں کے بارے میں میرا وہ جملہ بہت ہلکا ہو جائے کہ جس کا ذکر کرتے ہوئے آج میرا بھائی محمد کہنے لگا:

> ''آپ جو اپنی تقریروں میں یہ کہتے ہیں کہ ہندو وہ گندا مشرک ہے کہ جو انسان کے مخصوص عضو کو بھی اپنا دیوتا مانے ہوئے ہے مگر یہاں لٹن شاہ کو دیکھو اور ہندوؤں کی پرستش کو بھول جاؤ۔''

میں واقعی بھول گیا ہوں۔ اب میں لٹن شاہ کے ذکر سے اپنے قلم کی عصمت کو لٹنے سے بچاتا ہوں..... اور درباروں پر جانے والوں سے گزارش کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے ان درباروں پر جانے سے رک جاؤ، اپنا ایمان، مال اور عزت بچالو۔

قارئین کرام! افطاری کا وقت ہوا چاہتا ہے، اس دربار سے غیر اللہ کی نیازوں کا کھانا کیا، پانی پینے کو بھی دل نہیں چاہا۔ ہم نے ''ون'' کے درخت دیکھے، ان کا سفید سیاہ پھل جسے پنجابی میں ''پیلو'' کہتے ہیں، انہی سے روزہ افطار کیا اور غیر اللہ کی درباری نذر و نیاز سے اپنے شکم کو اللہ کی توفیق سے بچا لیا۔

مکلی سندھ کے دیگر ولیوں کی حیران کن باتیں:

قارئین کرام! ان درباروں کی پوجا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ مافوق الفطرت، مافوق الادراک اور دیو مالائی کہانیاں ان صاحبان دربار کے ساتھ وابستہ نہ کر دی جائیں۔ چنانچہ یہ کام کرامت کے نام پر خوب کیا گیا ہے۔ اب ان کرامتوں پر ایک سرسری نظر ڈالیے

جو ''تحفۃ الزائرین'' کے نام سے محکمہ اوقاف کے مولوی محمد طفیل صاحب نے لکھی ہیں اور جو لوگوں میں مشہور ہیں۔

اشرفیوں کی بارش:

''بابا اصحابی کے بڑے فرزند حضرت سید حسن سے ملاقات کے لیے جب کابل کا امیر آیا تو پیر صاحب نے امیر کابل کے دل کا حال معلوم کر لیا اور فرمایا: ''اے امیر! تو ہمارے امتحان کے لیے آیا ہے۔'' اور اس کے ساتھ ہی آسمان سے اشرفیوں کی بارش ہونے لگی اور صحن بھر گیا۔

اسی پیر صاحب نے جب دریا پار کیا تو آپ کی کتاب جو خادم کے ہاتھ میں تھی، وہ دریا میں گر گئی۔ شاہ صاحب نے مرید کو دریائے اٹک پر واپس بھیجا اور کہا: ''دریا کے پاس جاؤ اور کہو اے دریا! سید حسن اپنی کتاب مانگ رہے ہیں۔'' ادھر یہ الفاظ منہ سے نکلے ادھر کتاب سطح آب پر نمودار ہو گئی۔ خادم نے فوراً کتاب اٹھالی۔ تعجب کا مقام یہ تھا کہ کتاب جوں کی توں خشک تھی!''

بارہ برس دریا میں:

''ایک دوسرے بزرگ جناب یحییٰ نقشبندی المعروف ''حضرت جی'' تھے۔ یہ سانس روکنے میں درجہ تام رکھتے تھے۔ اتنی ریاضت تھی کہ پوری رات میں صرف ایک یا دو مرتبہ سانس لیتے تھے...... ریاضت میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ دریا میں بارہ برس تک نفی اثبات کا ذکر کیا، جب پانی سے باہر نکلے تو صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں، گوشت کو پانی کھا گیا تھا۔''

کوہ مسکلی میں حضرت کانٹے والے پیر بھی ہیں کہ جس کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے وہ اس پیر کے دربار کا تیل لگائے تو کانٹا نکل جاتا ہے۔

سوا لاکھ ولیوں کے مسکن مسکلی میں حضرت جمن جتی کا بھی مزار ہے جو بابا اصحابی کے

دربار کے شمالی جانب ہے، ان کی کرامت بارش برسانا ہے۔

یہاں ایک بزرگ شاہ دھنو بھی ہیں، جو دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر جاگتے رہتے تھے۔

چلہ گاہ کے اوپر سے گزرنے والے پرندے جل جاتے ہیں:

حضرت شاہ کمال ''غوث الآفاق'' یعنی آسمانی کناروں پر لوگوں کی فریادیں سننے والے پیر صاحب کے جلال کا دوران ریاضت یہ عالم ہوتا تھا کہ آپ کی ریاضت گاہ کے اوپر سے اڑتے ہوئے پرندے جلنے لگتے اور زمین پر گرتے ہی راکھ ہو جاتے۔ حضرت شاہ فضیل نے اپنے مریدوں کو متنبہ کیا تھا کہ دیکھو! آپ کی عبادت گاہ سے چالیس چالیس قدم دور رہنا ورنہ ان کے عشق کی آگ کی تپش کوئی برداشت نہیں کر سکے گا۔

(غرض آپ کا جلال اس قدر زبردست تھا) کہ آپ کے خاندان کے افراد بھی آپ کے جلال سے نہیں بچ سکے۔ آپ کے تین صاحبزادے مجاہدات و ریاضات اور قوت کشفیہ میں بے حد تیز اور لاثانی تھے۔ ایک دن آپ کے بڑے صاحبزادے عماد الدین حجامت بنوا رہے تھے کہ انھیں کشف سے معلوم ہوا کہ کوئی جہاز بھنور میں پھنسا ہوا ہے اور اس کے مسافر مدد کے لیے ''شاہ کمال......شاہ کمال'' پکار رہے ہیں۔ آپ نے وہیں سے زمین پر ہاتھ مارا، جہاز فوراً بھنور سے نکل گیا۔ اسی لمحہ شاہ کمال اپنے حجرہ سے باہر آئے اور پوچھا: ''عماد! یہ تم نے کیا غضب کیا۔'' آپ نے عرض کی: ''ابا جان! جہاز والے آپ کو پکار رہے تھے، میں نے شرم محسوس کی کہ آپ کو پکاریں کیونکہ اتنے میں تو وہ ڈوب جاتے۔'' آپ نے سینہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: ''تم نے میرے پکارنے والے کی آوازیں تو سن لیں مگر لوح محفوظ پر نظر نہ ڈال سکے کہ وہاں کاتب تقدیر نے کیا لکھا ہے۔'' یہ فرماتے ہی عماد الدین کی تمام صلاحیتیں سلب ہو گئیں۔''

دیوار چل پڑی ......:

''ایک مرتبہ آپ کے فرزند نورالدین جن کی عمر تقریباً گیارہ برس تھی، دیوار پر کھیل رہے تھے، جس طرح گھوڑے پر سواری کرتے ہیں، اسی طرح کی حرکتیں کر رہے تھے کہ اچانک ان کے منہ سے نکلا ''چل میرے گھوڑے، آگے چل'' تو دیوار فوراً چلنے لگی۔ آپ نے یعنی شاہ کمال نے اسی وقت صاحبزادے کو حجرہ میں طلب کیا اور فرمایا: ''جسے گھوڑے اور دیوار کا فرق معلوم نہیں، اسے سواری زیب نہیں دیتی۔'' اتنا کہا اور سید نورالدین کی روح پرواز کر گئی۔

(پرندے مار اور بچے مار) یہ ولی ہمیشہ سرخ لباس پہنتے، جب ایک بار سفید لباس پہنا تو وہ بھی سرخ ہو گیا۔ آپ اپنے حجرہ سے کئی کئی ماہ باہر نہیں نکلا کرتے تھے۔ ایک دفعہ چار ماہ تک نہ نکلے تو آپ کے صاحبزادے کو فکر لاحق ہوئی، دیکھا تو آپ سجدہ ریز ہیں اور روح پرواز کر چکی ہے۔ غسل دیا جانے لگا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں!! تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ ایک خادم نے ہمت کر کے آپ کے حضور سارا ماجرا کہہ سنایا یعنی موت کا ذکر کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا: ''چونکہ ہماری موت کا چرچا ہو چکا ہے لہٰذا اب زندہ رہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔'' یہ کہہ کر آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر لیٹ گئے۔ آخری الفاظ آپ نے یہ کہے:

''غسل جاری رکھو۔''

مکلی میں ایک مزار سید علی ثانی شیرازی کا ہے۔ لوگوں نے ان کے سید ہونے کا انکار کیا تو وہ مدینہ منورہ چلے گئے اور روضۂ رسول ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر پکارا:

''اے میرے نانا جان!''

آواز آئی:

"اے میرے بیٹے! میں حاضر ہوں۔"

غور فرمائیں! اللہ کے رسول ﷺ کی ایسی گستاخی خانقاہی اور قبروں کے درباری بریلوی مولوی کریں اور پھر بھی گستاخ اہل حدیث کو کہیں کہ جو اللہ کے رسول ﷺ کی ایک ایک سنت پر فدا ہوتے ہیں۔

حضرت میاں "متو" جو اس مکلی کے قبرستان میں مدفون ہیں، اپنی زندگی کے دوران اکثر و بیشتر کہا کرتے تھے:

"ہم اس کوہ مکلی کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر بہشت میں پھینک دیں گے۔"

انھوں نے یہ بھی کہا تھا:

"جو ہمارے مزارات کے درمیان سے گزرے گا وہ بلا حساب جنت میں داخل ہو گا۔"

یہ مقولہ میاں متو اور حضرت میاں رتو (دونوں بھائیوں) کا ہے۔

لوح محفوظ کے لکھے کو بے اثر کرنے والا "ولی":

حضرت شیخ میاں اربعائی کہ جن کا مزار مکلی میں عبداللہ اصحابی کے مزار سے تقریباً ایک فرلانگ شمال میں ہے، یہ تقدیر بدلتے تھے۔ شیخ محمد اعظم نے تحفۃ الطاہرین کے صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے:

"ایک خاتون جو نا امیدی کی عمر کو پہنچ چکی تھی، اس نے اپنے وقت کے مشہور بزرگ جمعہ جلالی کی خدمت میں جا کر عرض کیا (یعنی بیٹا مانگا) تو مخدوم صاحب نے جو سمندر حقیقت میں غوطہ زن تھے، لوح محفوظ کی طرف نظر کی اور فرمایا: "اولاد تیری قسمت میں نہیں ہے، اس کی تمنا سے ہاتھ کو تاہ رکھ۔" خاتون یہ جواب سن کر بڑی مایوسی کے عالم میں واپس ہوئی تو راستے میں حضرت شیخ محمد اسحاق اربعائی اپنے مریدین کے ہمراہ تشریف لا رہے تھے۔ خاتون کی جب ان پر نظر پڑی تو

غصہ کے عالم میں اس طرح کہنے لگی: ''یہ ایسے درویش ہیں جو مکر وریا سے جہان میں پھر رہے ہیں، جبہ و دستار سے آراستہ ہو کر لوگوں کی نظر میں جلوہ دکھاتے ہیں لیکن کسی دردمند کا کام ان کے ہاتھ سے نہیں ہوسکتا۔'' یہ سن کر شیخ جوش میں آگئے اور فرمایا: ''مخدوم جمعہ کا کہنا صحیح تھا، تیری تقدیر میں اولاد نہیں تھی، لیکن تیرے اضطراب کی وجہ سے اب تیرے درخت پر امید کا پھل عنقریب ظہور پذیر ہوگا۔'' اور قدرت نے اسے ایک پھول جیسا بچہ دیا۔

آپ نے فرمایا تھا کہ میرا وصال بھی ۹۷۵ھ بروز بدھ کو ہوگا کیونکہ پیدائش بھی بدھ کے دن تھی، مگر وصال منگل کو ہو گیا، جب جنازہ اٹھنے لگا تو ٹھٹھہ کی ایک عورت نے شیخ اربعائی کو ان کی بات یاد دلا دی، جس کے مطابق وصال بدھ کو ہونا تھا۔ یہ بات سنتے ہی پیر اربعائی اٹھ کر بیٹھ گئے اور مسلسل بیٹھے رہے، پھر جب بدھ کی رات آئی تو لیٹ گئے اور وصال کر گئے۔

(مکلی میں مدفون ایک بزرگ کریم شاہ بخاری کی جانب سے) ایک ہندو کو خواب میں حکم ہوا کہ میرے مزار کو نمودار کر دیا جائے۔ آپ کی نمایاں کرامت یہ ہے کہ چوپائے یا مال میں بیماری پڑتی ہے تو آپ کے مزار شریف کا دھاگا باندھنے سے صحت یاب ہو جاتا ہے۔''

درد زہ سے مت چلا، صبر کر، بچہ قرآن پڑھ رہا ہے......:

قطب الاقطاب حضرت شاہ مراد شیراز سے مکۃ الاولیاء یعنی ولیوں کے مکہ شہر ٹھٹھہ میں تشریف لائے۔ آپ کی پیدائش سے قبل ہی حضرت ''لنگوٹی شاہ'' نے آپ کی بشارت دے دی تھی۔

جس شب آپ کی ولادت ہو رہی تھی، ان لمحات میں آپ کی والدہ شدید درد زہ میں مبتلا تھیں۔ جب آپ کے والد گرامی سے ذکر کیا گیا تو انھوں نے وضو کر کے نماز شروع کی

اور رفع تکلیف کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے لگے۔ اسی اثنا میں ان پر اونگھ سی طاری ہوگئی دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے:

''آپ کا بچہ اپنی ماں کے شکم میں پورا قرآن اور اس کے علوم پڑھ رہا ہے، صرف ایک سبق باقی رہ گیا ہے، تھوڑی دیر صبر کرو! وہ خود بخود اس جہان میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں۔''

تذکرۃ المراد کے مصنف تحریر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد کے محراب میں تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ نے مصلے کے نیچے دایاں ہاتھ مبارک ڈالا۔ پیشانی سے پسینا ٹپک رہا تھا اور پیراہن مبارک بھی پسینا سے شرابور تھا۔ جب مصلے کے نیچے سے ہاتھ باہر نکالا تو اس سے بھی پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ مریدین نے جب پوچھا تو فرمایا:

''ایک مرید کی کشتی دریا میں ڈوب رہی تھی اور وہ مجھے پکار رہے تھے۔''

اسی طرح حضرت شاہ مراد کا ایک مرید ایک دوسرے ''پیر حضرت پٹھہ'' کا مرید ہوگیا، بہن نے بھائی کو روکا مگر وہ نہ رکا، بالآخر اس نافرمانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص مر گیا۔

مکلی کے ایک اور ولی جن کا مزار عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار سے شمال کی جانب ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، انھوں نے ایک دفعہ سندھ کے اس وقت کے حکمران جام جود کی بجائے جام تماچی کی حکومت کا اعلان کر دیا۔ جب جام جود کو پتا چلا تو وہ حضرت صاحب کے در پر حاضر ہوا اور کہا کہ ''درویشوں کو حکومت کے امور سے کیا واسطہ؟'' آپ نے جواب دیا:

''زمین کے وارث ہم ہیں، ہم جسے چاہیں اس کے گلے کا ہار بنالیں۔''

حضرت گرناری شاہ کی کرامت:

مکلی کے ایک اور ولی حضرت شاہ گرناری جب ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے تو وہ ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے، یہ رمضان کا مہینا تھا، وہ روزے سے تھے اور مادر زاد ولی تھے۔

سوا لاکھ ولیوں کے مسکن میں جو ایک اور کا اب اضافہ ہوا ہے تو یہ حضرت قاسم علی شاہ

بخاری ہیں، جنھوں نے ۱۷ مئی ۱۹۸۰ء کو وصال فرمایا ہے۔ یہ خوشگوار مزاج میں ہوتے تو فرماتے:

''میں جب دربار خواجہ پر حاضر ہوا تو خواجہ سرکار نے فرمایا: ''میں عطائے رسول ﷺ ہوں اور تم میری عطا ہو۔''

چنانچہ آپ عطا خواجہ اجمیری کے نام سے معروف ہیں۔

مقابلہ ولایت بازی:

قارئین کرام! ولیوں کے اختیارات وتصرفات کہ جن کی جھلکیاں آپ نے ملاحظہ کیں، ان کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ جی ہاں! ولیوں کے درمیان مقابلے اور مسابقے۔ ان کی تعداد تو بہت ہے مگر ہم نمونے کے طور پر دو مقابلوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

مونچھوں والی سرکار......:

''حضرت مخدوم ابو القاسم نے اپنے دور میں ایک صاحب دل بزرگ ولی کی مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا...... تو مذکورہ ولی جلال میں آگئے اور غضب ناک ہو کر کہا: ''ہم تیری خبر لیں گے۔'' اور پھر ایک روز نماز عصر کے بعد جبکہ مخدوم ابو القاسم چٹائی پر بیٹھ کر درس دے رہے تھے تو ''مونچھوں والے ولی'' نے توجہ کے ذریعہ حضرت مخدوم پر وار کیا۔ مخدوم صاحب بھی باطنی فراست سے سمجھ گئے اور ہاتھ جھاڑ کر ''حسبنا اللہ'' کہا تو فوراً چٹائی میں سوراخ ہوا اور وار زمین چیر کر اندر چلا گیا (یعنی وار کرنٹ کی طرح ارتھ ہو گیا)۔''

خون کی بجائے جسم سے راکھ نکلنے لگی:

''مخدوم جمعہ جلالی اور بابا اصحابی کے مابین ایک بار اس طرح مقابلہ ہوا کہ اصحابی بابا نے جمعہ جلالی کی جانب اشارہ کیا کہ ابتدا آپ کریں۔ تو مخدوم جمعہ جلالی نے

ایک چھری اپنے بازو پر چلائی، بازو کٹتا جلا جا رہا تھا اور خون کی بجائے بدن سے جلی ہوئی راکھ نکل رہی تھی...... اب وہی چھری بابا اصحابی نے لی۔ اپنے مبارک بازو پر چلائی تو فوراً انوار کی کرن نمودار ہوئی جس کی روشنی سے پوری مکلی جگمگا اٹھی۔ (یہ دیکھ کر) مخدوم جمعہ جلالی عرض کرنے لگے:

''میری ڈیوٹی ختم ہوئی، آپ کا انتظار تھا، اب زمین مکلی کو آپ نے بسانا ہے۔''

مکلی کی زمین عرش سے بھی افضل !!:

اور یہ جو مکلی کی زمین ہے اس کے بارے میں حکمران سندھ جام نظام کے دور (۸۶۶ء تا ۹۱۴ء) میں مخدوم احمد اور حضرت مخدوم محمد نے فرمایا تھا:

''یہ وہ جگہ ہے جسے عرش پر بھی فوقیت ہے۔''

اور حضرت میاں متو اور میاں رتو اولیائے مکلی فرماتے تھے:

''روز قیامت ہم اس کوہ مکلی کو اپنی جگہ سے اٹھا کر بہشت میں پھینک دیں گے۔'' (نعوذ باللہ من ذلک)

یعنی یہ بزرگ مکلی کے پہاڑ کو تو بہشت میں پھینکیں گے جبکہ ان کے جو مزارات مکلی کے میدان میں ہیں وہ تو عرش سے بھی فوقیت رکھتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے کہ پھر وہ کہاں ہوں گے......؟ (اللہ کی پناہ ان خرافات سے)

ایران کا آتش کدہ کیسے ٹھنڈا ہوا؟:

قارئین کرام! آہ......آج مسلمان امت، توحید و جہاد کی وارث امت مردوں کے شکنجے میں ہے، خرافات کے چکر میں کولھو کا بیل بن چکی ہے، غیر مسلم مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح آج ان کی خوشی و غمی اور کرب والم کا الگ الگ بزرگ موجود ہے۔ آج یہ امت توحید کے آسمان سے گر کر شرک کے اس ویرانے میں بھٹک رہی ہے کہ جس ویرانے میں ہندو، عیسائی اور مجوسی بھٹکا کرتے تھے۔ آج انھوں نے مکلی کے بزرگوں کے ساتھ وہی عقیدہ وابستہ کر لیا

ہے جو غیر مسلموں نے اپنے اپنے دیوتاؤں اور بزرگوں سے وابستہ کیا تھا۔ تب تو ہم نے جہاد کے راستہ سے ان غیر مسلم قوموں کو توحید کا سبق سکھایا تھا...... تو ہاں! تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ مسلمان جب ایران کے آتش پرستوں پر حملہ آور ہوئے، گھمسان کا رن پڑا تو مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آتش پرستوں کا وہ قدیم آتش کدہ کہ جس کے مینار پر ہزار سال سے مقدس آگ جل رہی ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ جب تک یہ جلتی رہے گی ہمیں شکست نہیں ہو سکتی تب مسلمانوں کے ایک جانباز دستے نے جان پر کھیل کر ہزار سالہ آگ کو ٹھنڈا کر دیا...... آگ کا ٹھنڈا ہونا تھا کہ اس کے ساتھ ہی اہل کسریٰ کے مذہبی جذبات سرد پڑ گئے، فرزندان توحید آگے بڑھے اور دنیا کی دوسری سپر پاور کو قدموں تلے روند ڈالا۔

راجا داہر کا مقدس مذہبی پرچم کس طرح تار تار ہوا؟:

محمد بن قاسم رحمہ اللہ جب دیبل کے ساحل پر اترا، راجا داہر کے ساتھ مقابلہ شروع ہوا تو اسلامی فوج کو معلوم ہوا کہ راجا کے محل پر جو پرچم لہرا رہا ہے، وہ مقدس مذہبی پرچم ہے اور دشمن کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک یہ قائم ہے، راجا قائم ہے اور جب یہ نہ رہے گا تو راجا بھی نہ رہے گا۔ چنانچہ اللہ واحد کے سپاہیوں میں سے چند نے اس جھنڈے پر اپنی سپاہیانہ سرگرمیاں مرکوز کر کے اسے اتارا اور تار تار کر دیا۔ جھنڈے کا تار تار ہونا تھا کہ ہندوؤں کا مذہبی عقیدہ تار تار ہو کر رہ گیا...... ہندوؤں کی فوج بکھر گئی اور مسلمان عقیدۂ توحید کی بنیاد پر جہاد کی برکت سے سرزمین ہندستان کے وارث بنا دیے گئے۔

اسی ہندوستان پر غزنی کے مسلمان محمود غزنوی نے ۱۶ حملے کیے، سترھواں حملہ کرتے ہوئے سلطان جب سومنات کے قریب پہنچا تو پتا چلا کہ سومنات کے مندر میں ہندوؤں کا دیوتا جو سونے کا بنایا گیا ہے اور اس مندر کے درمیان چاروں طرف مقناطیس لگانے کی وجہ سے فضا میں معلق ہے، اس کے بارے میں ہندو راجا اور پرجا (عوام) کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک یہ دیوتا ہم سے راضی ہے ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا...... چنانچہ سلطان نے سب سے

پہلے اس مندر کو فتح کیا اور اندر داخل ہوا، دیوتا پر تلوار کا وار کیا، وہ ٹوٹا اور اس کے اندر سے ہیرے، جواہرات فرش پر گرنے لگے......اب ہندوؤں نے جب اپنے مشکل کشا کو ٹوٹتے اور گرتے دیکھا تو وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ پھر سلطان جس کی طرف رخ کرتا، وہ ازخود مطیع اور فرمانبردار ہوتے جاتے۔

عیسائیوں کی جہالت:

اسی طرح یورپ کے عیسائی جو بیت المقدس پر قابض ہو چکے تھے، ان سے بیت المقدس واپس لینے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تب یورپین ملکوں کے تمام عیسائی اپنی افواج سلطان کے مقابل لے آئے۔ ان افواج کی قیادت برطانیہ کا رچرڈ، فرانس کا بادشاہ فلپ اور جرمنی کا بادشاہ فریڈرک کر رہا تھا...... سلطان نے اللہ کی مدد سے ان سب کو شکست دی اور بیت المقدس عیسائیوں سے چھین لیا۔ بیت المقدس کے لیے جو جنگیں عیسائیوں سے لڑی گئیں انھیں صلیبی جنگیں کہا جاتا ہے۔ ان جنگوں میں یورپین ملکوں کی تباہی کا اندازہ اس سے لگایے اور ساتھ ہی ان کی اخلاق باختگی اور جہالت کا بھی کہ جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری ساری افواج تو سلطان کے مقابلے میں تباہ ہو گئی ہیں تو انھوں نے یہ سوچ کر کہ بڑے لوگ چونکہ گناہوں کے کام کرتے ہیں، اس لیے اللہ انھیں مسلمانوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں کرتا، چنانچہ انھوں نے بچوں کی ایک فوج ۱۲۱۲ء میں فرانس سے بھیجی لیکن مارسلز کی بندرگاہ تک پہنچتے پہنچتے بچے تتر بتر ہو گئے اور خود راستے میں عیسائیوں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی، لوٹ مار کی اور انھیں غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ یہ تھی کفار کی مشرکانہ ضعیف الاعتقادی...... توہم پرستی اور جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا...... جس کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس توحید کا اجالا تھا اور اس اجالے اور روشنی کی معیت میں انھوں نے تلوار چلائی تو اندھیرے چھٹتے گئے اور روشنی پھیلتی گئی...... مگر...... آہ کہ آج وہی اندھیرا ہے اور وہی ضعیف الاعتقادی...... توہم پرستی ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے

جب ۶۵ء کی جنگ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے انڈیا کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی، تو خانقاہی لوگ کہہ اٹھے:

"یہ جنگ تو مزاروں میں مدفون سبز پوشاک والے بزرگوں نے جیتی ہے۔ وہ بموں کے گولے زمین پر پہنچنے سے قبل ہی کیچ کر لیا کرتے تھے اور وہی گولے پھر دشمن پر پھینک دیتے تھے۔"

چنانچہ اللہ کو غیرت آئی اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہماری ایک لاکھ فوج ہندو کے نرغے میں تھی اور جنرل اروڑہ جنرل نیازی کے تمغے اتار رہا تھا۔ سادہ لفظوں میں ہندو اس کے سر پر جوتے مار رہے تھے۔

جہادی خلافت سے خانقاہی خلافت تک:

خلیفہ اور خلافت وہ الفاظ ہیں کہ جن کے رعب سے کفر کانپ جایا کرتا تھا۔ اس لیے کہ خلافت مسلمانوں کی یکجہتی کی علامت تھی اور خلیفہ پوری مسلم دنیا کا حکمران ہوتا تھا، وہ ہمہ وقت جہاد کے لیے تیار رہتا تھا...... مگر پھر ہوا یہ کہ سبائی اور مجوسی سازش کے تحت قبروں پر خلافت قائم ہونے لگی اور قبروں کے سجادہ نشین، بادشاہ اور سید زادے شہزادگان ولایت کہلانے لگے۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا قبر کا خلیفہ بننے لگا، خلافت کی اجازت سند حاصل کرنے لگا۔ یہ سند بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچا کر کہا جاتا تھا کہ انھوں نے یہ سند اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی ہے۔ ولی حضرات تصوف کی ولایتیں بانٹنے لگے کہ قطب، ابدال اور غوث نے فلاں ولی کو اپنا خلیفہ بنا کر علاقے کی ولایت دے دی ہے کہ تم جا کر وہاں خانقاہ قائم کرو۔ اب اس خانقاہ میں یہ شخص مر جاتا تو اس کا دربار بن جاتا اور پھر اس کی اولاد "سید" کہلا کر قبر کی وارث بن کر شاہان ولایت بن جاتی...... جہادی خلفاء تو انصاف کے لیے اپنا دربار لگایا کرتے تھے مگر اب قبریں، دربار اور مزار بن کر پھیلتے گئے حتیٰ کہ یہ جو چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوئے، یہ اس قدر پھیلے کہ دو تین سو سال میں سارا عالم اسلام ان

سے بھر گیا۔ اللہ واحد کو ماننے والی امت قبروں کی پجاری بن گئی، خلافت کے زیر چم تلے جہاد کرنے والی امت بے شمار، ان گنت اور لاتعداد قبوری خلافتوں کی نذر ہو گئی۔

اس امت کا حال کس قدر بگڑ چکا تھا، اس کا اندازہ ہمیں ابن بطوطہ کے سفر نامے سے ہوتا ہے کہ جب ہم اس کا سفر نامہ پڑھتے ہیں تو ابن بطوطہ جو ساری اسلامی دنیا گھومتا ہے، ہر علاقے میں جہاں بھی جاتا ہے یہ لکھتا ہے کہ میں فلاں دربار پر گیا تو خرقہ خلافت پہنا، فلاں خانقاہ پر گیا تو اس کے سجادہ نشین نے مجھے دستار فضیلت پہنائی اور فلاں مزار پر گیا تو اس کے گدی نشین نے مجھے خلعت خلافت سے نوازا۔ غرض ابن بطوطہ کے سفر نامے سے یہ پتا چلتا ہے کہ جہادی خلافت اب مردوں کی درباری خلافت کے شکنجے میں جکڑی جا چکی تھی اور یہ خانقاہی خلافت اس قدر اپنے پھن پھیلائے ہوئے تھی کہ یہی ابن بطوطہ جب دمشق میں جاتا ہے تو کہتا ہے:

”وہاں کی ایک جامع مسجد میں میری ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی ہے کہ جس کا عقیدہ سارے عالم اسلام سے منفرد ہے اور اس کے ناپسندیدہ مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ وہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرتا ہے۔“

یاد رہے یہ شخص امام احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ تھا کہ جو ابن بطوطہ کو اچھا دکھائی نہیں دیا...... وہ اچھا کس طرح دکھائی دیتا کہ وہ اس قبوری خلافت کے خلاف تھا۔ اس نے اس شرک و بدعت کے خلاف چہار سو جہاد شروع کر رکھا تھا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا زمانہ ۶۶۱ تا ۷۲۷ ہجری کا ہے...... یہ زمانہ شرک اور قبر پرستی کے عروج کا زمانہ تھا۔ چنانچہ یہی وہ دور ہے کہ جب اللہ کے عذاب کا کوڑا برسا اور چنگیز اور ہلاکو خان کی یلغار سے سارا عالم اسلام برباد ہو گیا۔ صرف دمشق اور مصر کا علاقہ ہی بچ سکا کہ جہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جہاد کیا تھا۔

قارئین کرام! آج پھر اسلامی دنیا کا یہی حال ہے، ایران، عراق، مصر اور شام قبر پرستی کے گڑھ بن چکے ہیں۔ افغانستان میں بھی قبر پرستی کم نہیں جبکہ انڈیا، پاکستان اور بنگلہ دیش تو

اس شعبے میں سب سے ممتاز اور نمایاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلامی دنیا ذلت و رسوائی کا شکار ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ عزت وعظمت سے ہم کنار ہوں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قوم کا عقیدہ درست کیا جائے...... جہاد کے راستے پر چلا جائے......قبوری خلافت اور اس کے مراکز کو ختم کر کے ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' قائم کی جائے......خلافت کا پرشکوہ لفظ آج قبروں اور مردوں سے متعلق اور معلق ہو کر مردہ ہو چکا ہے...... اسے توحید و جہاد سے وابستہ کر کے پھر سے زندہ اور شان وشوکت کا آبئینہ دار بنا دیا جائے۔



باب سوم

حیدر آباد میں ننگے "ولی" کے بت کی پوجا

(اے میرے نبی!) ان سے کہو کہ میں تمھیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ (الانعام : ۵۰)

حیدرآباد میں
ننگے "ولی" کے بت کی پوجا

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا قافلہ دیبل سے ٹھٹھہ آیا اور یہاں سے حیدرآباد روانہ ہوا۔ اب بھی ٹھٹھہ اور حیدرآباد کے درمیان ان مجاہدین کی قبریں "سوڈا" کے مقام پر موجود ہیں۔ وہ مجاہدین کہ جو ہندو سے دو دو ہاتھ کرنے آتے تھے۔

حیدرآباد میں دو قلعے ہیں۔ ایک کچا قلعہ ہے اور دوسرا پکا۔ کبھی وہ وقت تھا کہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی سپاہ نے یہ قلعے ہندوؤں سے چھینے اور یہاں توحید و جہاد کے پرچم لہرائے مگر آج ان قلعوں پر نہ کوئی توحید کا نشان ہے اور نہ جہاد کی علامت! "کچے قلعے" پر جب ہم چڑھے تو آج وہاں ایک دربار تھا، جسے پیر مکی کا دربار کہا جاتا ہے۔ ہمارے دیکھتے ہی ایک عورت دوڑتی ہوئی آئی، وہ متواتر رو رہی تھی۔ اب وہ دربار کی کھڑکی پر جاتی، الٹے قدموں پیچھے چلتی اور پھر دوڑ کر "بابے" کی قبر کے پاس پہنچ جاتی، ہاتھ جوڑ کر بابے سے فریادیں کرتی، ہٹ ہٹ کر دیوار سے ٹکریں مارتی۔ وہ کہہ رہی تھی:

"بابا! ہسپتال میں میری بیٹی کا آپریشن ہو چکا ہے، تو اسے ٹھیک کر دے۔"

مدینے کو جانے والا خفیہ راستہ:

پیر مکی کی قبر پر یوں ٹکریں مار مار کر پھر لوگ اس دربار کی پشت پر ایک تنگ سی کوٹھری

میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں ایک کھڑکی ہے کہ جس کے ساتھ لوگ تالے اور دھاگے باندھتے ہیں۔ اس کھڑکی کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا ہے کہ اس کا راستہ مدینے کو جاتا ہے۔ دیوار کے ساتھ لوہے کی ویلڈ کی ہوئی پیر مکی کی اس کھڑکی کا راستہ مدینے کو جاتا ہے کہ نہیں البتہ مکے کو جاتا ضرور نظر آتا ہے۔ وہ مکہ کہ جہاں سے دو راستے نکلے، ایک تو وہ راستہ تھا کہ جس پر اہل مکہ کچھ اس طرح گامزن تھے کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ (مکی مشرک) کہا کرتے تھے: ''اے اللہ! (تیرے دربار میں) حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں (یہ سن کر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہتے: ''تم پر افسوس ہے یہیں رک جاؤ، یہیں ٹھہر جاؤ'' مگر وہ نہ رکتے اور (پھر یوں کہتے): ''اے اللہ تیرا شریک تو کوئی نہیں مگر وہ شریک کہ جو تیرا ہی ماتحت ہے اور اس کا تو ہی مالک ہے اور جس چیز کا یہ بزرگ مالک ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔'' (مکی مشرک) یہ کلمات کہتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے۔''

قارئین کرام! ایک تو یہ راستہ ہے کہ جس پر مکی بزرگ ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ گامزن تھے، مکہ کا دوسرا راستہ وہ ہے کہ جس پر امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چل کر دکھایا ہے۔ اس راستے میں کسی قبر پر پرستش کی نہ دربار کی کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی عرس اور میلے کی اجازت، اس لیے کہ اگر یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہوتا تو سب سے بڑا عرس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر لگتا، سب سے بڑا میلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قبروں پر لگتا کہ جو زندگی میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں تھے اور آج بھی ان کی قبریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں ہیں اور قیامت کے روز جنت میں بھی اسی طرح داخل ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو راستہ ہے، وہی سیدھا راستہ ہے، اسی راستہ کے بارے میں اللہ نے مسلمانوں کو دعا کرنے کی یوں تلقین فرمائی ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (الفاتحہ: ۵)

"(اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔"

یاد رکھیے! مکہ سے نکلنے والے دو راستے ہیں، ایک اللہ کے رسول ﷺ اور اس کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے اور دوسرا ابوجہل اور اس کے پیروکاروں کا راستہ ہے۔ یہ دونوں راستے آج بھی موجود ہیں، ان پر چلنے والے بھی موجود ہیں۔ بات صرف پہچان کی ہے تو پہچان کر لینی چاہیے اور پھر اس راستے پر چلنا چاہیے جو محمد مکی و عربی ﷺ کا راستہ ہے اور اس راستے پر چلنے کی جو راہ نما کتابیں (Guide Books) ہیں، وہ قرآن اور حدیث کی کتابیں بخاری اور مسلم وغیرہ ہیں، ان کا مطالعہ کر لینا چاہیے۔

"کچے قلعے" سے اترنے کے بعد دائیں جانب ایک دربار ہے، اس صاحب دربار کے بزرگ کو سندھی زبان میں "سائیں امیدن پوریو" کہتے ہیں۔ یعنی وہ پیر جو امیدیں پوری کرتا ہے مگر ہماری منزل اب پکا قلعہ تھی۔ پکا قلعہ سے پہلے ہم شاہی بازار کی ایک تنگ گلی کے کنارے پہنچے۔ اس کنارے پر ایک بڑا دربار ہے، اب اس دربار کے حیا سوز مناظر ملاحظہ کیجیے۔

مادرزاد ننگے چھتن پیر کے دربار پر:

حضرت چھتن پیر کہ جنھیں امیر شاہ بھی کہا جاتا ہے، جب ہم ان کی "درگاہ پاک" میں جوتا اتار کر داخل ہوئے تو دائیں طرف ان کا "دربار شریف" تھا اور سامنے "حجرہ مبارک۔" ہم پہلے حجرہ مبارک میں داخل ہوئے۔ جونہی داخل ہوئے تو ایک پلنگ پڑا دیکھا، جس پر بستر سجا ہوا تھا، تکیہ لگا ہوا تھا۔ پلنگ کے اوپر چھت کو اس طرح سے سجایا گیا تھا کہ جس طرح آج کل لوگوں کے ہاں دلہا و دلہن کی مسہری بنانے اور سجانے کا رواج ہے۔ ہم نے سوچا کہ حضرت چھتن شاہ صاحب اس پلنگ پر تشریف فرما ہوتے ہوں گے مگر تصوف کی دنیا کے مطابق وہ تو پردہ فرما چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اس پلنگ پر روحانی طور پر موجود ہوتے ہیں۔

پلنگ کے بوسے!!.......:

بہر حال ہم دیکھ رہے تھے کہ اب جن عورتوں کو اولاد لینا ہوتی ہے، وہ اس پلنگ کو بوسے دیتی ہیں، اس پر ہاتھ پھیر کر اپنے جسم پر پھیرتی ہیں اور بعض تو اس پلنگ کے نیچے لیٹ جاتی ہیں اور لیٹنے کے بعد خیال کیا جاتا ہے کہ اب بابا پیر اولاد دے گا۔ اس پلنگ کے اوپر ریشمی پردہ پڑا ہوا تھا اور پردے کے اوپر ہار لٹک رہے تھے۔ مسہری والے کمرے میں ریشمی پردے اور ہاروں کے پیچھے کونسا حسین چہرہ چھپا بیٹھا ہے! عورتیں تو یہ گھونگٹ اٹھاتی ہیں اور پھر نیاز دیتی ہیں، سلامی دیتی ہیں۔

دور سے ہم نے لوگوں کو اس حسین چہرے کو بوسے دیتے ہوئے دیکھا تھا، اب ہم نے بھی آگے بڑھ کر، قریب ہو کر گھونگھٹ اٹھایا، پردہ سرکایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو ایک تصویر تھی، حضرت ولی کامل چھتن شاہ قدس سرہ اور مدظلہ العالی کی تصویر اور ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت مدظلہ العالی کی تصویر بالکل برہنہ تھی۔

جی ہاں! "ولیوں" کی یہ وہ قسم ہے کہ جنھیں مجذوب کہا جاتا ہے۔ یہ ولایت کا بڑا بلند مقام ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر ولی اسی طرح پاک ہو جاتا ہے کہ جس طرح بچہ مادر زاد ننگا شکم مادر سے اس دنیا میں آتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے ولی بازاروں میں گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تو یہ مجذوب اولیائے کرام کی ٹیم ہے کہ برصغیر میں اسلام پھیلانے میں ان کا بھی بہت بڑا حصہ ہے اور یہ اسلام ابھی تک پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ہاں! تو حضرت چھتن شاہ کا دربار بھی فیوض و برکات کا منبع ہے اور یہاں اسلام خوب پھیل رہا ہے۔ ہم اس کے پھیلنے کا مزید مشاہدہ کرنے کے لیے اس مقدس حجرے سے نکلے اور بائیں جانب حضرت کے دربار کی طرف چل دیے۔ حضرت کی قبر کہ جسے دربار شریف کہا جاتا ہے، اس پر کھلونا نما تین عدد پنگھوڑے پڑے تھے، جنھیں اولاد لینا ہوتی ہے، وہ حجرۂ عروسی میں ننگے بابے کی تصویر کو سجدہ کرنے اور بوسے دینے کے بعد یہاں پنگھوڑوں میں نیاز ڈالتے ہیں اور پھر اسے ہلاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اب اس پنگھوڑے میں یہ جو نوٹ جھولے جھول رہے ہیں یہ درحقیقت

مستقبل کے پیراں دتہ اور غوث بخش جھول رہے ہیں۔

اب ہم حضرت چھتن شاہ کے دربار سے نکلے تو حجروں کی طرف چل دیے۔ ایک حجرے کے اندر پہلا قدم رکھا تو دوسرا قدم رکھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت چھتن شاہ کے ملنگوں نے ہمیں اندر آنے کا کہا مگر ہم نہ جاسکے۔ کس طرح جاتے، یہ ہمارا مقام ہی نہ تھا۔ یہ مقام تو اصحاب طریقت کا ہے۔ وہ اصحاب طریقت کہ جو ولایت مجذوبیت کے مقام سے آشنا ہیں جبکہ ہم نا آشنا تھے۔ اب ہم چرس اور ہیروئن سے آشنا ہوتے تو اندر داخل ہو جاتے۔ کیونکہ یہاں تو جو پاکباز ہستیاں تھیں...... وہ ہیروئن اور چرس کے کش لگا رہی تھیں اور وہ جذب و مستی کی نہ جانے کن کن منزلوں اور فضاؤں میں پہنچ کر تصوف کی منزلوں پر منزلیں سر کر رہی تھیں۔ چنانچہ ہم چھتن شاہی ولایت کے اس سیاہ ماحول میں دوسرا قدم رکھتے تو آخر کیسے؟ ہم نے تو بڑھا ہوا قدم بھی پیچھے ہٹا لیا اور پھر "پکے قلعے" پر جا پہنچے۔

پکا قلعہ اور جہادی بہاروں کی یادیں:

اب ہم "پکا قلعہ" دیکھنے لگے۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ کی جہادی یلغاروں اور سندھ میں توحیدی بہاروں کی یادیں تازہ کرنے لگے۔ جمعہ کا وقت قریب تھا اور آج کا خطبہ جمعہ مجھے اس پکے قلعے کے مین گیٹ کے سامنے اہل توحید کی مرکزی جامع مسجد میں پڑھانا تھا۔ آج میرا موضوع اللہ کی توحید اور فریضۂ جہاد کا پیغام تھا۔

اے اہل توحید! ذرا غور کیجیے کہ یہ امت تو قبر پرستی سے بڑھ کر اب تصویر پرستی اور بت پرستی تک جا پہنچی ہے اور پھر تصویر اور بت بھی وہ کہ جو شرک کی آخری حد کے ساتھ ساتھ فحاشی کو بھی اپنے دامن میں، تقدس کے پردے میں چھپائے ہوئے ہیں اور یہ ناٹک کسی غیر مہذب دنیا میں نہیں، یہ ڈھونگ کسی دور دراز جنگلی مقام پر نہیں رچایا جا رہا، بلکہ ملک کے ایک بڑے اور مہذب شہر کے عین وسط میں رچایا جا رہا ہے۔ تصوف و طریقت کے پردے میں فحاشی بیچ چوراہے ناچ رہی ہے، شرم و حیا اپنا دامن بچا کر یہاں سے بھاگ رہی ہے۔

قارئین کرام! میں ان درباروں پر جو خرافات دیکھتا ہوں ان سب کو کاغذ و قرطاس پر منتقل نہیں کرسکتا، صرف انہی خرافات کو نقل کرتا ہوں جن کا نقل کرنا ممکن ہوتا ہے۔

میرے بھائیو! میں جو یہ کام کرتا ہوں تو اس سے میرا مقصد کسی کا دل دکھانا نہیں بلکہ میں جان جوکھوں میں ڈال کر یہ کام اس لیے کرتا ہوں کہ میرے باپ آدم کے بیٹے اور میری ماں حوا کی بیٹیاں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے بچ جائیں۔ میں تو جنت کے گلزاروں کے راستے دکھاتا ہوں، جس طرح میرے آخری اور پیارے رسول امام الہدی ﷺ کے فرامین دکھلا رہے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمایے! یہ حدیث ترمذی کی ہے، یہ حدیث پڑھیے اور اندازہ کر لیجیے کہ کیا ہم تصویر پرستی کے اس انجام کی طرف نہیں بڑھ رہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا تھا:

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مسلمانوں کا ایک گروہ بت پرستوں کی جماعت سے مل نہ جائے۔"

(ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون : ۲۲۱۹ ـ حدیث صحیح ہے، دیکھیے صحیح الجامع الصغیر رقم : ۷۴۱۸)

اسی طرح ترمذی کی ایک حدیث ہے، اس میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"اللہ کے رسول ﷺ نے میرے باپ حصین سے کہا "اے حصین! آج کل تو کتنے مشکل کشاؤں کی بندگی کرتا ہے؟ اس پر میرا باپ کہنے لگا: "سات کی، ان میں سے چھ زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر۔" تب اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: "ان میں سے امید اور خوف کے وقت تو کسے پکارتا ہے؟" کہنے لگا: وہ جو آسمان پر ہے۔" اس پر قرآن نے خوب تبصرہ کیا ہے۔ اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے سورۃ لقمان میں یوں مخاطب ہوتے ہیں:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ (لقمان:۲۵)

"(میرے رسول!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا

کیا تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے۔ (میرے نبی!) اس پر تم الحمدللہ کہو، جبکہ ان کے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔''

اسی طرح سورۂ یونس میں فرمایا:

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ (یونس: ۳۱)

''میرے نبی! (ان کی بزرگوں سے) پوچھو کون ہے جو تمھیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ سننے اور دیکھنے کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے......؟؟ تو یہ بول اٹھیں گے کہ ''اللہ!'' تب کہہ دو پھر تم (شرک کرنے سے کیوں) نہیں بچتے۔''

یاد رکھیے! اللہ کو ماننا اور اس کے ساتھ ان بزرگوں کو بھی حاجت روا، مشکل کشا، داتا اور دستگیر تسلیم کرنا، یہی شرک ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم بھی یہی شرک کرتی تھی، انھوں نے بھی اپنے پانچ ولی ''پنج تن'' بنا رکھے تھے، جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے اور باقاعدہ ان کے نام لیے ہیں۔ ان کے نام سواع، ود، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

یاد رکھیے! ہندو بھی اسی طرح کا شرک کرتے ہیں، آپ ان کے جوگیوں، پنڈتوں اور سادھوؤں سے پوچھ کر دیکھیے! وہ کہیں گے ہم شرک کہاں کرتے ہیں، ہمارا ہر بت ہمارے اصلی خدا بھگوان یا رام ہی کا ایک روپ ہے، بت بے شک جدا جدا ہیں مگر ان سب سے ایک بھگوان ہی کی پوجا مقصود ہے۔ ان بتوں میں بھگوان ہی دکھائی دیتا ہے اور یہ کہ ہم ان بتوں کو نہیں پوجتے، یہ تو عوام ہیں کہ جنھوں نے ان بتوں ہی کو خدا سمجھ لیا ہے۔

بالکل اسی طرح جس طرح آج کا بریلوی مولوی دربار خود بناتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ جی

سجدہ کرنا جائز نہیں ، یہ تو لوگ ہیں جو کرتے ہیں۔تو میرے بھائیو! اب ظلم یہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے بھی پیر پرستی پھر قبر پرستی اور اب بت پرستی میں مبتلا ہو چکے ہیں اور پھر مزید ستم یہ ہے کہ یہ بت پرستی بھی ننگ پرستی کی شکل میں ہے۔

آیے! دعوت نوح علیہ السلام پھر زندہ کریں، دعوت ابراہیم علیہ السلام کا پھر احیا کریں، اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح پھر توحید کا چرچا کریں کہ اب یہ امت شرک کی آخری حد پھلانگنے لگی ہے۔



باب چہارم

ننگے پیر ککڑ شاہ کے دربار پر

(اے میرے نبی!) کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو مومنوں کو ڈرانے اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔ (الاعراف : ۱۸۸)

سندھ کی تیسری بڑی گدی کا آنکھوں دیکھا حال

پچھلے دنوں اندرون سندھ کئی مقامات پر مجھے خطاب کی دعوت تھی، ٹنڈو آدم اور نوکوٹ میں تقریریں کر کے فارغ ہوا تھا کہ ملکانی شہر میں جامع مسجد کے خطیب مولانا محمد خان اور برادرم خالد سیف نے مجھے بتلایا کہ ہمارے شہر کے قریب ایک ولی کا دربار ہے جو ''ککڑ شاہ'' کے نام سے معروف ہے۔ میں نے کہا:

> ''ارے بھائی! کاواں والی سرکار، کتیاں والی سرکار، بلیاں والی سرکاریں سنی اور دیکھی ہیں۔ لاہور میں چھٹانکی پیر اور گھوڑے شاہ کو بھی دیکھا ہے تو چلیے اب ککڑ شاہ کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔''

چنانچہ ہم ککڑ شاہ کے دربار کی جانب چل دیے۔ بھائی ابو معاویہ بھی ہمارے ہمراہ ہو گئے۔ جب ہم دربار پر پہنچے تو یہ جمعرات کا دن تھا، جسے یار لوگ پیروں فقیروں کا دن کہتے ہیں۔ اس روز ہم بھی حضرت ''ککڑ شاہ ولی'' کے دربار پر گئے۔ ہر طرف ککڑ ہی ککڑ (مرغ ہی مرغ) دکھائی دے رہے تھے۔ عورتوں نے بھی ککڑ اٹھائے ہوئے، مردوں نے بھی ککڑ بغلوں میں دبائے ہوئے، بچوں نے بھی پاؤں میں رسی باندھ کر ککڑ تھامے ہوئے، یوں ہر طرف ککڑ ہی نظر آرہے تھے۔ پھر ایک اور امتیاز بھی اٹھ چکا تھا، وہ اس طرح کہ یہاں مسلمان اور ہندو ایک ہو چکے تھے۔ مسلمان کہلانے والے تو تھے ہی، ہندو عورتیں، مرد اور بچے بلکہ ان کے

یہاں دو چیزیں اور دیکھنے میں آئیں کہ سب ککڑ ہی تھے، ککڑی کوئی نہ تھی، یعنی مرغ ہی تھے، مرغی کوئی نہ تھی۔ ہماری یہ حیرانی اس وقت دور ہوئی جب پتا چلا کہ بابا جی چونکہ ککڑ ہی پسند فرمایا کرتے تھے اس لیے یہاں ککڑ ہی لائے جاتے ہیں، ککڑی نہیں۔ یہ سن کر میرے ذہن میں سیکنڈ آپشن فورا در آیا کہ کہیں کوئی منچلی مجذوبہ نہ سامنے آجائے اور وہ ککڑن شاہ اور مرغی شاہ بن کر کوئی گدی بنا ڈالے اور یہاں مرغ ہیں تو وہاں مرغیاں پیش ہونے لگیں۔ بہرحال ایک تھرڈ آپشن بھی موجود ہے اور وہ ہے برائیلر ککڑ کا...... کہ یہاں جتنے بھی ککڑ تھے سب دیسی اور اصیل تھے، خوب پلے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ ککڑ شاہ کے مرید جو مرغ یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں، ان کی پرورش اور نگہداشت خصوصی طور پر سے کرتے ہیں جبکہ برائیلر یہاں پیش نہیں کیے جاتے، لہٰذا اگر شاہی سلسلہ میں کوئی ''برائیلر شاہی سلسلہ'' شروع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور برائیلر شاہ بن سکتا ہے۔

تو جناب! یہ سوچیں سوچتے ہوئے کہ ایسے لوگوں سے ایسے کام کچھ بھی بعید نہیں بلکہ قرین قیاس ہیں، ہم دربار کی بغل میں اس جگہ جا پہنچے جہاں محکمہ اوقاف کا ملازم محمد سلیمان بیٹھا تھا۔ ابتدائی گفتگو کے بعد بابا کی کرامتوں کی بات شروع ہوئی تو مجاور کرامتیں بیان کرنے لگا۔ اسی طرح اس بزرگ کی زندگی پر جو کتاب ''تذکرہ اولیائے سندھ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے اور محمد اقبال نعیمی نے اسے لکھا ہے، اس کا صفحہ (۸۰) میرے سامنے کھلا ہوا ہے اور دیگر رسائل نے جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

جب ککڑ شاہ صاحب جنت بی بی پر عاشق ہوگئے:

''سائیں کا نام سمن سرکار ہے، آپ شروع ہی سے حسن و جمال کے دلدادہ، خوبصورت لباس کے رسیا اور میلوں ٹھیلوں میں اور ساز و سرود کی محفلوں میں شریک ہونے والے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ سمن سرکار کی نظر ایک لڑکی پر پڑگئی۔ اس کا نام جنت بی بی تھا۔ یہ جھڈو گاؤں کے قریب مٹی کے برتن بنانے والے ایک شخص کی بیٹی تھی۔ یہ بڑی خوبصورت اور حسین تھی، سائیں نے اسے جونہی دیکھا، پھر کیا تھا: ع

''اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا''

کے مصداق ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ اب حضرت دن رات اس کی فکر میں مگن رہتے حتیٰ کہ کئی بار لوگوں نے حضرت کو جنت بی بی کے ساتھ دیکھا۔ مگر یہ بات جنت بی بی کے ماں باپ اور عزیز و اقارب کو ایک آنکھ نہ بھائی اور انھوں نے دونوں کا ملنا ملانا ناممکن بنا دیا۔ حضرت بھی ہر طرح کے وسائل بروئے کار لا کر ''جنت'' حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر جب جنت ہاتھ نہ آئی تو حضرت کا عشق جو مجازی تھا، حقیقت کے روپ میں ڈھلنا شروع ہو گیا۔

حضرت ککڑ شاہ کے معمولات مبارکہ:

چنانچہ آپ نے کپڑے اتار دیے، بالکل برہنہ اور ننگے ہو گئے۔ جنگل میں پھرا کرتے تھے۔ اکثر و پیشتر آگ کا بڑا الاؤ (مچ) روشن کرتے اور اس کے قریب بیٹھ جاتے۔ کسی نے کچھ دیا تو کھا لیا وگرنہ کھانے سے بے نیاز رہتے۔ البتہ مرغ شوق سے کھاتے اور آنے والے زائر اور مرید سے پہلا سوال یہ کرتے: ''ککڑ لائے ہو؟'' اور پھر ان کی ایک عادت مبارکہ یہ بھی تھی کہ وہ ککڑ کے سالن میں چرس کی جلی ہوئی راکھ ڈال کر زیادہ شوق سے تناول فرماتے۔ حقہ خوب پیتے اور اس کا پانی بھی نوش فرماتے۔ ان کے جسم کے سارے بال بڑھے ہوئے تھے، انھیں بالکل نہ مونڈتے اور اس درگاہ میں جو تالاب ہے اس میں پڑے رہتے۔ وہ مجذوب اور ابدال بن چکے تھے۔ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے تھے، انھوں نے ۲۶ رمضان کو اپنے تمام مریدوں کو روزہ توڑنے کا حکم دے دیا تھا۔''

دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں؟

لوگوں میں مشہور یہ بات تو ہم نے سن لی تھی کہ حضرت ککڑ شاہ نورانی لباس پہنا کرتے تھے، مزید تصدیق کے لیے میں نے مجاور محمد سلیمان سے پوچھا کہ ''حضرت سائیں سمن سرکار

المعروف ککڑ شاہ جب بالکل ننگے رہا کرتے تھے اور عورتیں بھی ان کے پاس حصول مراد کے لیے آتی تھیں تو عورتوں کو شرم نہیں آیا کرتی تھی؟'' مجاور کہنے لگا:

''انھوں نے ایسا نورانی لباس زیب تن کیا ہوتا تھا کہ عورتوں کی نظر حضرت کے نچلے حصے کو دیکھ ہی نہیں پاتی تھی۔''

مجاور کی یہ باتیں سنتے ہوئے مجھے ایک بادشاہ کا واقعہ یاد آ گیا جو اپنے تخت نشین ہونے کا سالانہ جشن منانے لگا تو اس نے کئی ماہ پہلے ہی اعلان کرا دیا کہ اس بار جو شخص بادشاہ کے لیے سب سے خوبصورت جوڑا تیار کرے گا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کی سلطنت میں سے بے شمار لوگوں نے خوبصورت جوڑے تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے مگر بادشاہ کو کوئی جوڑا پسند نہ آیا۔ آخر کار ایک اللہ کے بندے نے جب دیکھا کہ بادشاہ کو کوئی لباس پسند نہیں آ رہا تو وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ وہ ایک ایسا لباس تیار کرے گا کہ جیسا لباس آج تک کوئی تیار نہیں کر سکا اور وہ لباس نفیس ترین اور بڑا اعلیٰ ہو گا اور اس کی یہ خوبی ہو گی کہ وہ صرف عقلمند لوگوں کو ہی نظر آئے گا بے وقوفوں کو نظر نہیں آئے گا۔ اب بادشاہ جو پوری سلطنت میں سب سے بڑھ کر اپنے آپ کو عقلمند سمجھتا تھا، اس نے لباس تیار کروانا شروع کر دیا۔ لباس تیار کرنے والے کو اپنے محل کے اندر ہی تمام تر سہولتیں مہیا کر دیں۔ وہ روزانہ ککڑ کھاتا اور محل میں لباس تیار کرتا۔ وزیر موصوف آتا اور پوچھتا: ''کتنا لباس تیار ہو چکا ہے؟'' وہ کہتا ''دیکھو! اتنا تیار ہو چکا ہے۔'' وزیر خاموش ہو جاتا کہ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے تو نظر نہیں آتا تو وہ بے وقوف ٹھہرے گا۔ غرض وقت گزرتا گیا اور لباس تیار ہوتا چلا گیا، آخر تخت نشینی کا دن آ گیا۔ لباس تیار کرنے والے نے کہا کہ میں لباس تیار کر کے، اسے سی کر بادشاہ کو خود پہناؤں گا۔ چنانچہ جشن کے دن جب دارالحکومت کے بازاروں میں لوگ سج دھج کے فٹ پاتھوں پر کھڑے ہو گئے، عورتیں اور بچے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے کہ آج بادشاہ کا زرق برق جلوس نکلے گا۔ اس وقت لباس پہنانے والا آیا،

کے اعلان کر دیا: ''واہ! کیسا خوبصورت لباس ہے!!!'' بادشاہ بھی کہنے لگا: ''واہ! ایسا تو میں نے کبھی پہنا ہی نہیں۔'' وزراء اور جرنیل سب بولے ''بادشاہ سلامت کے لیے کیا خوب لباس تیار کیا ہے۔'' بادشاہ نے اس بندے سے کہا: ''مانگو کیا مانگتے ہو۔'' اور یوں منہ مانگا انعام لے کر وہ لباس تیار کرنے والا گھر کو رخصت ہوا۔

جلوس شاہی محل سے برآمد ہوا، بازار میں آیا، لاکھوں لوگ نظارہ کر رہے ہیں مگر بادشاہ سمیت سب خاموش ہیں کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ لباس تو نظر نہیں آتا اور بادشاہ بالکل برہنہ ہے تو وہ بے وقوف ٹھہرے گا۔ چنانچہ سب خاموش ہیں، ہنس رہے ہیں مگر بولتا کوئی نہیں۔ مجمع میں کھڑے ایک بچے نے حیرانی سے آواز لگائی: ''ارے! بادشاہ تو ننگا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے کیا خوب فرمایا ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ))

''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ: ٢٦٥٨)

اب یہ بچہ جو فطرت اسلام پر تھا اور اسلام کی فطرت سچ بولنا ہے، چونکہ بچہ تھا اس لیے ابھی وہ بڑے لوگوں کی طرح ایچ پیچ لگانے اور دنیاوی چکر بازیوں، رکھ رکھاؤ، ڈپلومیسی وغیرہ سے کوسوں دور تھا، چنانچہ وہ فطرت اسلام کے تقاضے کے تحت پکار اٹھا: ''لوگو! بادشاہ تو ننگا ہے۔'' پھر تیسری مرتبہ حیرت کے سمندر میں ڈوبی آواز میں پکارا: ''بادشاہ ننگا ہے۔'' پھر کیا تھا...... تمام لوگ شروع ہو گئے اور پھر تمام وزیر مشیر بچے بوڑھے اس کے ہمنوا بن کر بولنے لگے: ''بادشاہ ننگا ہے۔''

قارئین کرام! دھوکا دے کر جانے والا جا چکا تھا اور وہ یہی بات کہہ گیا تھا کہ لباس کو دیکھنے والی آنکھ ہی کوئی نہیں اور وہ سب کو پاگل بنا گیا تھا مگر جو ایک نے جرأت کی تو آخر کار سب کو زبان مل گئی۔ یہی معاملہ ان ولیوں کا ہے، ہم کہہ رہے ہیں کہ ننگے ہیں، لٹیرے ہیں مگر ماننے والے کہتے ہیں کہ یہ تو مجذوب ولی ہیں، یہ نورانی لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں،

ککڑ شاہ کا نچلا حصہ تو نظر آتا ہی نہیں اور تمھاری تو آنکھ ہی دیکھنے والی نہیں وغیرہ وغیرہ۔

اور جب میں نے ننگے بابے ککڑ شاہ کی تصویر دیکھی جو یہاں فروخت ہو رہی تھی تو بابا سارا ننگا تھا مگر اس کے خصوصی ننگ کو چھپانے کے لیے آگے ککڑ بٹھا رکھا تھا۔ بھائیو! ہم لاکھ کہیں کہ یہ ننگا ہے...... وہ کہیں گے: ''ٹھیک ہے، ننگا ہے مگر تمھاری دیکھنے والی آنکھ نہیں۔''

ننگے سادھو اور ننگے مجذوب ولی:

قارئین کرام! جب حقیقت ایک ہو تو محض نام بدلنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں قلندر، قطب، غوث، داتا، ابدال اور مجذوب ولی بنائے گئے اور مجذوبوں کے کپڑے اتار دیے گئے تو یہی چیز ہندوؤں میں ہمیں اس طرح ملتی ہے کہ ان کے ولیوں کو سادھو، سنیاسی، یوگی، تیاگی، گرو اور باوا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ان سادھوؤں میں بعض ایسے سادھو ہوتے ہیں جو بالکل مادر زاد ننگے پھرتے ہیں۔ ان مادر زاد ننگے سادھوؤں کو ''ڈگمبر'' کہا جاتا ہے۔ ان سادھوؤں کا ایک میلہ ہر بارہ سال بعد انڈیا میں الٰہ آباد کے قریب ''پریاگ'' کے مقام پر شمالی ہندوستان میں منعقد ہوتا ہے۔ یہاں تین دریا گنگا، جمنا اور سرسوتی باہم ملتے ہیں۔

شمشان بھومیاں...... غلیظ سادھو اور پیر:

یہاں ہندوؤں کی ''شمشان بھومی'' بھی ہے اور ان کی شمشان بھومیاں عموماً دریاؤں کے کنارے پر ہوتی ہیں۔ یہاں ہندو لوگ اپنے مردے آگ میں جلاتے ہیں۔ مردہ جو آگ میں جلتا ہے تو اس جلنے کو ''چتا'' کہا جاتا ہے۔ یہ سادھو اس چتا پر کھانا پکا کر کھاتے ہیں۔ مردے کی کھوپڑی کو بطور برتن استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں پیشاب پینا تو معمولی بات ہے، یہ تو اپنا پاخانہ، گندگی اور غلاظت تک کھا جاتے ہیں۔ ایسے ننگے سادھو ہندوؤں کے ہاں انتہائی متبرک لوگ ہوتے ہیں۔

قارئین کرام! یہی کچھ درباروں پر ولی بننے کے لیے ہوتا ہے۔ ذرا ملاحظہ کیجیے راقم کی کتاب ''شاہراہ بہشت''...... جس میں بھائی طارق محمود کی آپ بیتی کے چند واقعات

کی منزلیں طے کرنے جاتا ہے، تو اس کا ننگا مرشد ایک روز اس کے ہاتھ میں پیالہ تھما دیتا ہے، اس میں تھوکنا شروع کر دیتا ہے، بلغم کا مریض تو وہ تھا ہی، چنانچہ اس ظالم نے تھوک تھوک کر وہ پیالہ آدھا کر دیا اور کہا: ''اسے پی جاؤ۔''

بھائی طارق محمود کہتے ہیں: ''اب میرا اللہ جانتا تھا یا میں کہ میری کیا حالت ہوئی؟ مگر سلوک کی منزلیں کراہت کر کے تو طے ہونے والی نہ تھیں۔ چنانچہ اس راہ معرفت میں اس غلاظت کو امتحان سمجھ کر نگل گیا!!! میرا یہ مرشد اس قدر موٹا ہو گیا تھا کہ ایک قدم بھی چلنے کے قابل نہ تھا اور وہ یہیں بیٹھا بیٹھا قضائے حاجت کرتا تھا۔ وہ ولی بسیار خور اور بلا نوش ہونے کی وجہ سے اجابت بافراغت کرتا تھا، زیادہ وقت گندگی کا ڈھیر اس کے نیچے پڑا رہتا تھا۔ اب اس نے مجھے ہاتھوں سے یہ گندگی صاف کرنے کا حکم دیا، میں نے حکم کی تعمیل کی کیونکہ یہ بات تو میں نے پہلے سے سن رکھی تھی کہ بزرگ آزمانے کے لیے گندی چیزیں کھانے کا بھی حکم دیتے ہیں، اگر کھا لی جائیں تو بیڑہ پار اور اگر نفرت کی جائے تو معرفت و ولایت کی گاڑی مس ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے ہاتھوں سے وہ گندگی صاف کی، اگر وہ حکم دیتے تو میں تھوک کی طرح پاخانہ کھانے سے بھی گریز نہ کرتا!!!''

قارئین کرام! یہ ہیں میرے اس بھائی کے الفاظ، جسے اب اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے، مگر بتلانا یہ مقصود ہے کہ اگر ہندوؤں کے سادھو اور سنیاسی ''اشنان بھومیوں'' پر پیشاب پیتے اور پاخانہ کھاتے ہیں تو یہ نام نہاد مسلمان ولی قبوری درباروں پر بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور اگر وہ ننگے رہ کر ''ڈگمبر'' سادھو کہلاتے ہیں تو یہ ننگے رہ کر ''مجذوب ولی'' کہلاتے ہیں۔

ککڑ سائیں کے دربار کی کڑیاں کہاں جا ملتی ہیں؟:

اس وقت ہم ننگے مجذوب ولی بابا ککڑ سائیں کے دربار میں ہیں...... یہ وہ دربار ہے جسے گلاب رائے نامی ہندو نے تعمیر کرایا۔ وہ سمن سرکار کے ساتھ گھوما کرتا تھا پھر اس جگہ دربار بنوا کر اس وقت انڈیا بھاگ گیا جب ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ شاید

یہاں ہندوؤں کے آنے اور اس دربار سے عقیدت کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ اس دربار کی تعمیر ایک ہندو نے کروائی ہے۔

اب ہم اوقاف کے ملازم اور دربار کے سرکاری مجاور محمد سلیمان کے پاس سے اٹھے اور گلاب رائے کے بنائے ہوئے دربار کی طرف چل دیے۔ جب دروازے سے داخل ہونے لگے تو دروازے پر لوہے کی ٹلیاں بندھی ہوئی دیکھیں...... جب ان کے ساتھ سر لگتا ہے تو یہ ٹلیاں بجتی ہیں۔ ساتھیوں نے بتلایا کہ دو سال قبل تک یہاں ایک بڑا ''ٹل'' ہوا کرتا تھا، جو بھی زائر اندر جاتا پہلے وہ ٹل کو ہلاتا، ٹن ٹن کرتا اور پھر اندر داخل ہو جاتا۔ یہ ہندوؤں کے مندر میں داخل ہو کر دیوتا کو متوجہ کرنے کے لیے بجائے جانے والے ٹل کی نقل ہے جو گلاب رائے جاری کر گیا ہے اور مسلمان کہلانے والے اسے بے چون و چرا اپنائے ہوئے ہیں۔

جب ہم اندر داخل ہوئے تو پیر ککڑ شاہ کے سر کی جانب جو الماریاں تھیں وہاں پنگھوڑوں میں چھوٹے چھوٹے کھلونے رکھے ہوئے تھے، ان پنگھوڑوں میں بچہ بھی لٹایا گیا ہے تو عورتیں ککڑ یہاں لاتی ہیں، ان کی نیاز دیتی ہیں اور ان پنگھوڑوں کو ہلا جلا کر لوریاں دیتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ککڑ شاہ نے ککڑ لے لیا، اب وہ پتر دے گا۔

موحد بچے اور درخت پر ظلم:

دربار کے دوسرے دروازے سے جب ہم باہر نکلے تو سامنے ایک درخت کی بڑی شاخوں پر لکڑی کی چھوٹی چھوٹی پنجالیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ پنجالیاں کافی تعداد میں تھیں اور درخت ان سے لدا پڑا تھا۔ ارے بھائی! ان پنجالیوں کا کیا مقصد؟ یہ تو بیلوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہیں۔ دو بیلوں کو اس میں جوت کر ان سے ہل چلانے کا کام لیا جاتا ہے تو یہ جو چھوٹی چھوٹی پنجالیاں ہیں، ان کا یہاں کیا کام؟ اور پھر معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق جب ککڑ پیش کر کے یہاں کسی کو پتر ملتا ہے، جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس کے گلے میں یہ پنجالی ڈال کر دربار میں لایا جاتا ہے، سلام کیا جاتا ہے اور پھر یہ

پنجالی اس درخت پر لٹکا دی جاتی ہے۔

زرداری اور بے نظیر کی حاضری:

سرکاری مجاور نے مجھے یہ بھی بتلایا تھا کہ اس گدی پر پچھلے دنوں جناب زرداری بھی آئے تھے اور بے نظیر صاحبہ بھی آ چکی ہیں۔ وہ ککڑ لائے کہ نہیں یہ بات معلوم نہ ہو سکی اور نہ یہ ہی معلوم ہو سکا کہ بے نظیر اور زرداری نے بلاول کے گلے میں پنجالی ڈالی یا اس کے بغیر ہی گزارا کر لیا۔

یہ درخت جس پر پنجالیاں ڈالی جاتی ہیں، بے چارہ سوکھ چکا ہے، شرک کی نحوست نے اس کے پتے جھاڑ دیے ہیں اور اس کا سبزہ ختم کر دیا ہے۔ بے چارہ یہ موحد درخت کیوں نہ سوکھتا؟ کہ ادھر وہ اللہ کے حضور سجدہ کرتا تھا اور ادھر اس پر ننگے بابے کی قبر پر پیش ہونے والی پنجالیاں ڈالی جا رہی تھیں۔ چنانچہ وہ بے چارہ اس غم میں ہی سوکھ گیا۔ اس کے سجدے کا تذکرہ تو اللہ نے سورۂ رحمٰن میں کیا ہے۔ فرمایا:

وَٱلنَّجْمُ وَٱلشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ (الرحمن:٦)

''وہ ستارے، بوٹیاں اور درخت (اللہ) کو سجدہ کر رہے ہیں۔''

اسی طرح جن بچوں کے گلے میں پنجالیاں ڈال کر بیل کے بچھڑوں سے مشابہت دے کر ان کے ماں باپ یہاں لاتے ہیں...... ان کے بارے میں صحیح مسلم میں سے ہم اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان نقل کر چکے ہیں یعنی:

''ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔''

اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں......

یعنی جو عقیدہ ماں باپ کا ہو اسی پر بچے کی تربیت کر دی جاتی ہے وگرنہ بچے تو سب ہی فطرتاً مسلمان اور موحد ہوتے ہیں۔ تو یہاں بچوں کو ککڑ شاہی بنایا جاتا ہے۔ مقام انسانیت

سے گرا کر انھیں جانور بنا دیا جاتا ہے۔

عقیدۂ توحید کے حامل مرغ کی دہائیاں:

اسی طرح یہاں آنے والا ہر ککڑ روتا ہو گا کہ میری ٹانگیں باندھ کر آدم کا بیٹا مجھے کہاں لے آیا؟ میں تو فجر سے قبل اذانیں دیا کرتا تھا، نماز تہجد اور نماز فجر کے لیے آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کو جگایا کرتا تھا، ککڑوں کوں، ککڑوں کوں کر کے یہ سبق دیا کرتا تھا کہ اٹھ! مسجد میں جا اور وہاں میرے اور اپنے خالق کے حضور ہاتھ باندھ کر یہ فریاد کر:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٤﴾ (الفاتحہ: ٤)

''ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

مگر آہ......! یہ ظالم مجھے یہاں ننگے بابے کے پاس لے آیا، حالانکہ ننگا تو میں بھی نہیں۔ اللہ نے مجھے اس قدر خوبصورت لباس عطا فرمایا ہے کہ جو رنگا رنگ ہے، کہیں سنہری پر ہیں، کہیں سفید اور سیاہ ہیں، سرخی مائل ہیں۔ یہ سارا رنگ دار لباس مجھے میرے اللہ نے پہنایا، میرے سر پر سرخ تاج سجایا۔ آہ! مجھ عقیدۂ توحید کے حامل معزز مرغ کو آدم کا بیٹا اس ننگے بابے کے دربار پر لے آیا۔ کاش! اس نے قرآن پڑھا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا...... کہ میں کتنا بڑا موحد ہوں۔ میرے اور میرے ہم جنسوں کے بارے میں تو اللہ نے بھی یہ فرما دیا ہے اور اے ککڑ شاہ کے مرید! تجھے مخاطب کر کے میرے بارے میں آگاہ کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ ﴿٤١﴾ (النور: ٤١)

''کیا دیکھا نہیں تو نے کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے وہ سب اسی کی پاکیزگی بیان کر رہی ہے اور پر کھولے ہوئے پرندے بھی (اسی کی تسبیح کر رہے ہیں) ہر ایک کو اپنی عبادت اور اللہ کی یاد کا ڈھنگ معلوم ہے۔''

او! مجھے ننگے بابے کے در پر لانے والے اور یہاں مجھے ذبح کرنے کا پروگرام بنا۔

والے آدم کے ظالم بیٹے!...... تجھے معلوم نہیں...... تو دیکھتا نہ تھا کہ میں اپنے خوب صورت سنہری پروں والے بازو کھول کر...... انھیں پھیلا کر...... کبھی پھڑ پھڑا کر...... اپنے پنجے اوپر اٹھا کر...... اپنے اللہ کی عبادت کرتا تھا...... اس کی تسبیح بیان کرتا تھا...... ککڑوں کوں کے انداز سے اپنے مولا کریم کی شان بیان کرتا تھا...... مگر ارے ظالم! تو نے مجھے یہاں لا کر ذلیل و خوار کر دیا...... اللہ تجھے غارت کرے...... کس قدر گندا ہے عقیدہ تیرا۔

ارے ظالم! تو حب رسول ﷺ کے دعوے تو بڑے کرتا ہے، کاش! تو نے صحیح مسلم میں اپنے رسول ﷺ کا یہ فرمان پڑھا ہوتا:

''جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ کے فضل کا سوال کرو۔''

(صحيح بخاری، كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم : ۳۳۰۳ ـ صحيح مسلم، كتاب الذكر، باب استحباب الدعاء عند صياح الديك : ۲۷۲۹)

اس لیے کہ اس وقت مرغ نے فرشتے کو دیکھا ہے۔

اے ظالم! ذرا سوچ! میں فرشتے کو دیکھ کر صبح اذانیں دیتا تھا یعنی رحمت کے فرشتے تیرے گھر آیا کرتے تھے...... اور تو نے مجھے اس کا یہ صلہ دیا کہ ننگے بابے کی قبر پر لا کر مجھے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ آہ! اس ظلم پہ میں کیا کہوں؟ اچھا! فیصلہ قیامت کے دن ہی ہو گا۔

قارئین کرام! ہم دیکھ رہے تھے کہ دربار میں بعض لوگ لکڑیوں کے گٹھے لے کر بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ ان سے لکڑیاں خرید رہے ہیں۔ جب شام ہوئی تو لوگ اپنے اپنے برتنوں میں مرغ پکانے لگے۔ معلوم ہوا کہ جنگل میں موجود اس درگاہ پر جو لوگ ککڑ لے کر آتے ہیں، ان میں سے بعض یہیں پکا کر رات درگاہ کے حجروں میں گزارتے ہیں، دن کے اوقات جنگل کی گھنی جھاڑیوں میں گزارتے ہیں اور پھر گھر کی راہ لیتے ہیں۔

میں نے سرکاری مجاور سے پوچھا:

''لوگ جو ککڑ یہاں لاتے ہیں۔ انھیں تو وہ کھا جاتے ہیں، پھر آپ کو کیا بچتا ہے؟''

تو وہ کہنے لگا:

''ہمیں ہر جمعرات دو سے تین ہزار تک اوسطاً مرغ مل جاتے ہیں اور یہ تعداد کل مرغوں کا دس فیصد ہے، جبکہ ۹۰ فیصد مرغ لوگ ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔''

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہر جمعرات ۲۵ سے ۳۰ ہزار تک مرغ یہاں لایا جاتا ہے۔اسی طرح سالانہ میلے پر بتایا گیا کہ مرغوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔

ککڑ شاہ دربار کے گدی نشین سے ملاقات:

مرغوں کی مظلومانہ اور غیر اسلامی موت اور پھر ان کے پکنے کے مناظر دیکھنے کے بعد ہم درگاہ سے باہر نکل آئے۔ سامنے ایک شاندار کوٹھی تھی ،معلوم ہوا یہ کوٹھی بابا ککڑ شاہ کے دربار کے گدی نشین کی ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا یار! اس سے ملنا چاہیے۔ چنانچہ ہم اس کوٹھی میں پہنچے۔ گدی نشین علی بخش ہمیں کوٹھی کے لان میں مل گیا۔ یہ چونتیس پینتیس سالہ سانولے رنگ کا نوجوان تھا، داڑھی منڈا تھا، مونچھوں والا تھا، آنکھیں اس کی سرخ تھیں۔ہم اس سے ملے تو میں نے کہا:

''حضرت سائیں سمن کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا ہے، لاہور سے آیا ہوں۔''

اس نے اپنے خادم کو حکم دیا اور کوٹھی کے برآمدے میں ہمیں بٹھا دیا۔ خادم چائے بنانے لگا مگر ہم نے اسے منع کر دیا، گدی نشین کا کافی انتظار کیا، مگر وہ نہ آیا۔ معلوم ہوا کہ وہ یہاں یوں آنے والوں کی ملاقاتوں سے بے نیاز ہے۔ بہر حال کوٹھی پر ڈش انٹینا لگا ہوا تھا۔ ٹی وی، وی سی آر یہاں موجود تھا، ٹیلیفون کی سہولت بھی میسر تھی۔ یہ تھا ننگے پیر سمن سرکار کا گدی نشین جو یہاں دیسی اور اصیل مرغ کھاتا ہے، کوٹھی میں رہتا ہے، ڈش پر یورپ کے حیا باختہ مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اگلے مرحلے پھر کیا ہوتے ہوں گے؟......وہی عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف سفر......اور یہ سفر جس طرح من چاہے موجیں کرتا رہے۔ جب کوئی بولے گا تو کہا جائے گا

''معرفت کی باتیں ہیں...... تمھیں کیا معلوم، تمھاری تو آنکھ ہی دیکھنے والی نہیں۔''

شرک اور فحاشی:

قارئین کرام! ہندوؤں کی دیویاں اور دیوتاؤں کا تذکرہ جب ہم ملاحظہ کرتے ہیں تو ان کے باہمی تعلقات میں اس قدر بے ہودگی، بدمعاشی اور بے حیائی نظر آتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر مہا بھارت کے پہلے باب میں جو لکھا ہے اس کے مطابق ''برہما سب دیوتاؤں کا استاد ہے اور یہ کہ برہما کی بیٹی کا نام سارستی تھا۔ برہما نے اس سے منہ کالا کرنے کا پروگرام بنایا۔ سارستی شرم و حیا کی وجہ سے ایک طرف ہوگئی۔ اس طرف برہما کی صورت میں ایک منہ ظاہر ہو گیا اور وہ منہ بری نظر سے سارستی کو دیکھنے لگا پھر سارستی پیچھے ہوگئی چنانچہ اس طرف برہما دیوتا کا ایک اور منہ ظاہر ہو گیا۔ وہ سارستی کو اس منہ سے گھورنے لگا۔ پھر سارستی دوسری طرف ہوگئی تو اس طرف ایک اور (چوتھا) منہ ظاہر ہو گیا۔'' الغرض برہما کے چار منہ ہو گئے۔

اسی طرح ''تحفۃ الہند'' نامی کتاب میں ہندوؤں کی کتابوں کے حوالے سے برہما دیوتا کے بارے میں بتلایا گیا ہے:

''ایک رات برہما دیوتا نے اپنی شرم گاہ کی کوئی انتہا نہ پائی۔''

جبکہ شو پوران میں لکھا ہے:

''برہما ہنس کی شکل بن کر دس ہزار سال تک دوڑتا رہا، مگر وہ انتہا کو نہ پہنچ سکا۔ چنانچہ اس نے جان لیا کہ یہ (شرم گاہ ہی) میرا خالق و مالک ہے۔'' (نعوذ باللہ من ذلک!)

ایک پنڈت سے جب برہما کی اپنی بیٹی کے ساتھ بدمعاشی کی بات کی گئی اور دوسری لغو اور فضول کہاوت کا پوچھا گیا اور اعتراض کیا گیا تو وہ کہنے لگا:

''دیکھنے والوں کو ظاہر طور پر ایسا معلوم ہوا کہ برہما نے نازیبا حرکت کی ہے، جبکہ درحقیقت برہما نے ایسا نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں۔''

قارئین کرام! دنیائے معرفت و سلوک، ولایت و حقیقت اور تصوف و طریقت بھی کیسی دنیا ہے کہ جو چاہے بدمعاشی کیے جاؤ، مریدوں کے گھروں میں جا کر عورتوں کے جھرمٹ میں بیٹھ جاؤ، منہ کالا کرتے رہو اور جب کوئی دیکھے تو کہہ دو:

''تمھاری تو دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں، وہ ظاہری طور پر دیکھ کچھ اور رہا تھا مگر اسرار کے پردوں، معرفت کی دنیا میں وہ کر کچھ اور رہا تھا۔ وہ تو سلوک کی منزلیں طے ہو رہی تھیں۔''

اور جب اگلے روز پتا چلتا ہے کہ پیر مریدنی کو لے کر اپنی منزل کو روانہ ہو گیا ہے تو پھر چیختا ہے، دہائیاں دیتا ہے اور اخبار میں خبر چھپواتا ہے کہ وہ جعلی پیر تھا، جو اپنے مرید پیراں دتہ کی بھاگ بھری کو بھگا لے گیا ہے۔

قارئین کرام! برہما دیوتا کا قصہ آپ نے ملاحظہ کر لیا، اس قصے کو ذہن میں رکھیے اور آیئے! میرے ساتھ چلیے! حیدر آباد اور کراچی کے درمیان مکلی کے تاریخی، میلوں لمبے چوڑے قبرستان میں، یہاں بیسیوں دربار ہیں جو پوجے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک دربار کا نام ''لٹن شاہ'' ہے جس کا ہم ذکر کر چکے، میں جب اس دربار پر پہنچا تو حضرت لٹن شاہ کی قبر سے سیمنٹ کا ایک گولہ نکلا ہوا دیکھا جو دربار سے باہر کئی میٹر تک چلا گیا تھا۔ میں نے گدی نشین سے پوچھا تو وہ کہنے لگا:

''یہی تو حضرت کی کرامت ہے، حضرت لٹن شاہ صاحب دریائے سندھ کے ایک کنارے پر بیٹھ جاتے تھے اور دوسرے کنارے پر رہنے والے مرید لٹن شاہ کے پل پر سے چل کر اس کے پاس آ جاتے تھے۔ اسی کی یاد میں یہ سیمنٹ کا گولہ ہے جو حضرت کی قبر سے نکالا گیا ہے......!!''

اب بتلایئے! ہندو کے برہما دیوتا اور نام نہاد مسلمان کے حضرت لٹن شاہ ولی کے واقعات میں کیا فرق ہے کہ برہما ابھی آگے ہے۔ غرض ہندو اگر انسان کی شرم گاہ کی پوجا کرتا ہے تو قبروں پر گرنے والا بھی اسی راستے پر چل نکلا ہے اور یہ رستہ وہ ہے جو شرک کے ساتھ

ساتھ فحاشی کی دلدل میں بھی دھنساتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرک کے اڈے فحاشی کے بھی اڈے ہیں اور ایسی خبریں آئے دن اخبارات کی سرخیاں بنتی رہتی ہیں...... چونکہ ان دونوں یعنی شرک اور زنا کا ایک گہرا باہمی تعلق ہے اس لیے جہاں شرک کا اڈا ہوتا ہے وہاں زنا کا کاروبار بھی خوب چلتا ہے۔ شرک یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے خالق کو چھوڑ کر غیروں کو خالق مانتا ہے۔ مشکل کشا اور حاجت روا مانتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی اپنے ایک خاوند کی ہونے کے بجائے کئی مرد ڈھونڈتی ہے، تو جس طرح اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دیتا ہے لیکن شرک کو معاف نہیں کرتا، اسی طرح خاوند بھی اپنی بیوی کے نخرے برداشت کر لیتا ہے، ہنڈیا میں نمک مرچ کی کمی بیشی برداشت کرلیتا ہے، اس کے الٹے سیدھے مطالبات مان لیتا ہے مگر یہ گوارا نہیں کرتا کہ اسے بیوی یہ کہے کہ ''میرے سرتاج! ہے تو تو بھی خوبصورت مگر جو فلاں ہے نا وہ بھی......'' بس یہ بات خاوند کو گوارا نہیں اور جو گوارا کرتا ہے وہ دیوث اور بے غیرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے سورۂ نور میں زانیوں اور مشرکوں کا تذکرہ کر کے سمجھا دیا ہے کہ یہ دونوں خصلتیں عموماً یکجا ہوتی ہیں۔ فرمایا:

ٱلزَّانِى لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَٱلزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝٣ (النور:۳)

''زانی مرد زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرے گا اور زانی عورت زانی یا مشرک مرد ہی سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔''

ککڑ شاہ کے ڈسے ہوئے ایک ہندو نوجوان سے ملاقات:

قارئین کرام! ہم نے جو ککڑ شاہی انداز اور ہندو ازم کے مابین اشتراک کی مدلل باتیں کی ہیں، آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ غیر مسلموں کے قبول اسلام میں یہ کتنی بڑی رکاوٹ ہے۔ اس حقیقت کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیں کہ میں سندھ کے مذکورہ قصبے کی مسجد کے ایک کمرے میں احباب کے ہمراہ بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''ایک

پڑھا لکھا ہندو نوجوان آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا: ''لے آئیے۔'' وہ نوجوان آیا، بڑے تپاک اور محبت سے ملا، میں نے اسے اپنے سامنے بٹھا لیا، گفتگو شروع ہو گئی، وہ کہنے لگا:

''حمزہ صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ آج آپ یہاں آئے اور آپ سے ملاقات کی میری دیرینہ خواہش پوری ہو گئی، خواہش کے پورا ہونے کی آج مجھے بڑی خوشی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب میں بڑا ہوا تو مجھے بتوں کی پرستش اچھی نہیں لگتی تھی، اپنے دھرم پر دل مطمئن نہ تھا، چنانچہ میں نے مسلمانوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی کہ ان کا دھرم معلوم کروں، وہ کیا کہتا ہے؟ چنانچہ اس دوران یہ لوگ مجھے ککڑ شاہ کے دربار پر لے گئے اور جب میں وہاں پہنچا اور وہاں کے سارے حالات دیکھے تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کے اور ہمارے دھرم میں کوئی خاص فرق نہیں، چنانچہ میں پریشان سا رہنے لگا۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ آپ کی کتاب میرے ہاتھ لگ گئی، اس میں آپ نے جو ان درباروں کے بارے میں لکھا ہے، میں نے یہ پڑھنا شروع کیا تو مجھے پتا چلا کہ اصل اسلام وہ نہیں جو یہ لوگ سمجھے ہوئے ہیں، بلکہ اسلام یہ ہے کہ جسے مجلہ والے پیش کر رہے ہیں، چنانچہ میں نے پھر قرآن و حدیث کا مطالعہ شروع کیا، اب الحمدللہ میں سمجھ چکا ہوں، اب صرف اسلام کا اعلان باقی ہے۔ اندر سے مسلمان ہوں اور نام بھی رکھ لیا ہے۔ آج جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ یہاں آ رہے ہیں تو دل خوش ہوا کہ آپ سے ملاقات ہو گی۔''

توحید کا مضمون جو ہدایت کا ذریعہ بن گیا:

قارئین کرام! جب اس نوجوان نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو میں اٹھا اور اپنے اس بھائی کو سینے سے لگا لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اپنے لوگ تو اللہ کی توفیق سے شرک اور بدعات چھوڑتے ہی ہیں اور اس ضمن میں ان کے خطوط ملتے ہی رہتے ہیں مگر آج میرے توحیدی

مضامین پڑھ کر ایک غیر مسلم اور وہ بھی ہندو مسلمان ہو رہا ہے۔ (الحمد للہ علی ذلک!)

اسی طرح اس واقعہ سے چند دن بعد میں نوشہرہ ورکاں کے قریب ایک گاؤں میں تقریر کرنے کے لیے گیا تو مولانا محمد حسین شیخوپوری صاحب اور دیگر احباب کی موجودگی میں متحدہ عرب امارات سے آنے والے ایک بھائی عطاء اللہ صاحب مجھے بتلانے لگے:

''امارات کی ریاست ''العین'' میں شاہراہ فیصل پر ہمارے قریب جو ہندو رہا کرتے تھے، ہم انھیں بھی آپ کی تحریریں پڑھایا کرتے تھے، وہ درباروں والے مضامین کا خصوصی طور پر مطالعہ کرتے تھے۔ چنانچہ اس سے ان کا ذہن تیار ہو چکا تھا حتی کہ جب ''حلالہ'' کے موضوع پر آپ کا مضمون شائع ہوا تو ان ہندوؤں میں سے تین ہندو جنھوں نے یہ مضمون پڑھا، وہ جامعہ عثمانیہ میں آگئے اور انھوں نے حافظ محمد صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ ہندو انڈیا کے صوبہ راجستھان کے رہنے والے تھے۔ ان کے نام سریش، مہیش اور جتندر تھے۔ اب وہ بحمد للہ محمد عباس، محمد اسلم اور محمد صالح بن چکے ہیں۔

بحمد للہ یہ میرے لیے اللہ کی رحمتوں کی بارش کے مترادف ہے۔

قارئین کرام! یہ دوسرا واقعہ سن کر اپنے اللہ کا شکر ادا کیا اور دل خوشی و مسرت سے لبریز ہو گیا کہ جب اصل اسلام جو قرآن و حدیث ہے، غیر مسلم اس سے شناسا ہوتے ہیں تو مسلمان بنتے ہیں اور جب یہ اسلام ان تک نہ پہنچے اور قبر پرست اسلام کے نمائندے بن کر ان کے سامنے آ کھڑے ہوں تو یہ قبول اسلام میں ایک رکاوٹ بن جاتی ہے...... اللہ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح مسلمان بنائے...... عقیدہ، کردار اور اخلاق ہر اعتبار سے اچھا مسلمان بنائے...... کہ ہماری تقریروں، تحریروں اور طرز عمل کے باعث غیر مسلم اسلام کے چشمۂ صافی سے پانی پییں۔ (آمین!)

باب پنجم

بابا بھٹو سائیں
اور
پیر ضیاء الحق

(اے میرے نبی!) اعلان کر دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کا علم نہیں جانتا (جن کے بارے مشرک علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں) وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

(النمل : ٦٥)

بابا بھٹو سائیں اور پیر ضیاء الحق
کی قبر پر میں نے کیا دیکھا؟

بابا بھٹو سائیں کے مزار پر:

سندھ کے شہر لاڑکانہ سے تقریبا آدھ گھنٹے کے فاصلے پر گڑھی خدابخش کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ہم جب وہاں پہنچے تو اس گاؤں میں واقع بھٹو کے دربار پر گئے۔ بھٹو کا دربار ان کے خاندانی قبرستان میں واقع ہے۔ اس قبرستان میں ان کے والد سر شاہ نواز بھٹو، ان کے دادا اور بیٹے شاہ نواز بھٹو، میر مرتضےٰ بھٹو اور خاندان کے دوسرے لوگوں کی بھی قبریں ہیں۔

بھٹو سائیں کی قبر ہے تو پختہ مگر عارضی ہے کیونکہ اس پر بہت بڑا دربار اور مزار بنانے کا پروگرام ہے اور یہ پروگرام بن چکا تھا۔ وسیع وعریض مزار بنانے کے لیے سارے گاؤں کو ایک دوسری جگہ منتقل کرنے کا منصوبہ آخری مرحلے پر تھا کہ بھٹو سائیں کی بیٹی جو اس وقت وزیر اعظم ہوا کرتی تھی کہ بابا اسحاق نے آٹھویں ترمیم کے وار سے اس کی حکومت کا کام تمام کر دیا۔ یہ ترمیم بھی ''حضرت پیر ضیاء الحق'' ہی اپنے دور میں کر گئے تھے۔ ''پیر ضیاء الحق'' نے مارشل لاء کے آرڈر سے بابا بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹا تھا اور اب بی بی بھٹو کا تختہ بھی پیر ضیاء الحق کی ترمیم نے الٹ دیا، تو یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ پھر یہ بی بی صاحبہ بعض

دین کے نعرے لگانے والوں اور دوسرے لوگوں کی مہربانیوں سے دوبارہ وزیراعظم بنیں تو انھوں نے دوبارہ چھوڑے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کا اعلان کر دیا، جس کے مطابق سرکاری خزانے سے ۲۸ کروڑ روپے بھٹو سائیں کے دربار کی تعمیر پر لگا دیے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دنیا دار حکمرانوں اور مغرب کے تربیت یافتہ دانشوروں کو نہ تو دین کی خبر ہے اور نہ دنیا کے اعتبار سے ہی ان کا کوئی کام عقل و خرد کا ساتھ دیتا نظر آتا ہے۔ دین جو ہماری دنیا سنوارنے کا ضامن ہے بلکہ اس کے بغیر دنیا کی بہتری کا تصور ہی نادانی ہے تو اس اعتبارے سے اگر ہم دیکھیں تو حکمران مدینہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی ساتھی اور جانشین، مسلمانوں کے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جب وہ فوت ہونے لگے تو فرمایا:

"مجھے ان دو پرانی چادروں میں دفن کر دینا کیونکہ نئی چادروں کی زندہ لوگوں کو مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔"

(بخاری، کتاب الجنائز، باب موت یوم الاثنین: ۱۳۸۷)

۲۸ کروڑ کی قبر:

اب عوامی خدمت کا ڈھنڈورا اور عوامی حکومت کا ڈھول پیٹنے والی پیپلز پارٹی کی شریک اور اب بلا شرکت غیرے چیئر پرسن سے اہل عقل یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اپنے باپ کی قبر پر آپ نے جو ۲۸ کروڑ لگانے کا فیصلہ کیا ہے تو پاکستان نہ سہی، سندھ کی بھی بات نہیں کرتے، کیا آپ نے لاڑکانہ کے بے گھروں کو گھر دے دیا، کچی بستیوں کو پختہ کر دیا؟...... اسے بھی چھوڑیے، ہم لاڑکانہ کی بات بھی نہیں کرتے "گڑھی خدا بخش" جیسی چھوٹی سی گوٹھ کے غریبوں کو آپ نے پختہ مکانات بنا دیے ہیں؟ جو باپ کی قبر پر آپ نے ۲۸ کروڑ روپیہ خرچ کر دیا ہے اور یہ پیسا اسی عوام کا ہے جسے جمہوریت کے سنہری فریب میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ حکومت آپ کی ہے اور جب پیسا خرچ کرنے کی باری آتی ہے تو اسی عوام کا پیسا سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں جمع ہو جاتا ہے اور باقی ماندہ مردہ لوگوں کی قبروں پر خرچ ہونا

شروع ہو جاتا ہے۔ پچھلی دفعہ فیصل صالح حیات نے نصف کروڑ کے قریب روپیہ اپنے باپ کی گدی پر خرچ کر دیا تھا اور دوسری بار عوامی حکمران نے ۲۸ کروڑ کی قبر بنانے کا پروگرام بنا لیا...... وہ قبر کہ جس کی نگہداشت کرنے والے غریب کی ایک دن کی تنخواہ ۲۴ روپے بھی نہیں ہے۔

یہ حال انہی غریبوں، کسانوں، تاجروں اور ہاریوں ہی کا تو ہے کہ ایک غریب کسان سر پر گاجروں کی ٹوکری اٹھائے جب کسی بھی شہر کی منڈی میں جاتا ہے، تو اس سے ان گاجروں پر بھی ٹیکس لیا جاتا ہے، جسے چونگی کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں ٹیکس حکومت کے خزانے میں جمع کراتا ہے اور حکومت ہے کہ ان غریبوں کے پیسے کو جو ان کے پاس امانت ہے، اس سے قبریں بنانا شروع کر دیتی ہے اور پھر ایک قبر ۲۸ کروڑ کی بنتی ہے!! اپنے باپ کی قبر پر اس انداز سے بے تحاشا مال و دولت خرچ کرنا اور وہ بھی پرایا...... مال مفت دل بے رحم...... یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟ دین نہ سہی، یہ کہاں کی دنیا داری ہے؟ کم از کم دنیا داری کا بھی تو کوئی ڈھنگ ہونا چاہیے۔ لہٰذا سیدھی سی بات ہے کہ جو دین دار نہیں ہوتا وہ دنیا دار بھی نہیں ہوتا، اسے دنیا میں رہنا بھی نہیں آتا۔ یہ لچھن ہیں ان قوموں کے کہ جنھیں اللہ نے ایسے ہی کارناموں کی بنا پر اپنا عذاب بھیج کر تباہ و برباد کر دیا۔ یہ قوم عاد ہے، وہ ایسے ہی کام کیا کرتی تھی۔ اس قوم کے پیغمبر ہود علیہ السلام نے قرآن کے الفاظ میں انھیں یوں متنبہ کیا:

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ ءَايَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ (الشعراء:۱۲۸-۱۲۹)

''کیا تم ہر اونچی جگہ بے فائدہ یادگار بنا دیتے ہو؟ اور ایسی ایسی عمارتیں کھڑی کرتے ہو گویا تمھیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔''

قارئین کرام! انصاف کے ساتھ غور کیجیے! پچیس تیس صدیاں پہلے جو قوم تھی، اس کی

اور آج کے لوگوں کی ذہنی سوچ اور عملی کردار میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی ایسے ہی کام کرتے تھے اور آج کے لوگ بھی ایسے ہی کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو نے اسی پر بس نہیں کیا کہ ۲۸ کروڑ کی قبر بن جائے تو کافی ہے بلکہ راولپنڈی میں کہ جہاں بھٹو سائیں کو پھانسی دی گئی، اس شہر میں ایک ایسی جگہ بھٹو کی یادگار بنانے کا پروگرام بنایا کہ جو ہاؤسنگ سکیم بن چکی تھی، لوگوں کو پلاٹ الاٹ ہو چکے تھے مگر یہ سارا پروگرام منسوخ کیا گیا، یہ کہہ کر کہ وہاں بھٹو کی یادگار بنائی جائے گی۔

یعنی ان لوگوں کو زندوں کی کوئی خبر نہیں، انھیں تو مردہ لوگوں کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ زندہ لوگوں میں اگر روح یا زندگی کی رمق ہو تو ویسے انھیں پوچھنا تو چاہیے کہ مردوں نے تو آپ کو ووٹ نہیں دیے کہ ان کی قبریں اور یادگاریں بنانے پر زور دیا جا رہا ہے۔

غلام حیدر وائیں، جسے لوگ درویش وزیر اعلیٰ کہتے تھے، وہ بھی باب پاکستان کی یادگار کے نام پر اس قوم کا کروڑوں روپیہ برباد کر کے چلتا بنا اور آج وہاں دھول اڑ رہی ہے۔

غرض ان یادگاروں اور مردہ لوگوں کے درباروں پر جو پیسا لگانے کی بات ہے، اس سے اگلی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ان یادگاروں پر ٹکٹ لگا کر اور درباروں پر نذر و نیاز لے کر دوبارہ عوام ہی کا کباڑا کیا جاتا ہے اور خود صاحب دربار لوگوں کے لیے نفع ہی نفع ہے۔ تبھی تو نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے درمیان اس نفع بخش صنعت کے لیے اس دربار پر قبضے کی خوب لڑائی ہوئی، جو خونی جھڑپوں تک جا پہنچی۔

پاپا چاند میں نظر آتے ہیں:

خیر جب ہم ''بابا بھٹو'' کے دربار پر پہنچے تو مجھے بی بی بے نظیر کی ایک بات یاد آ گئی، اس وقت جنرل ضیاء الحق کا دور تھا اور بی بی نے اپنے بابا کے بارے میں کہا تھا کہ ''مجھے ان کی صورت چاند میں دکھائی دیتی ہے'' اگر یہ اس وقت کی خبر ٹھیک ہے تو ہم بی بی صاحبہ کو مشورہ دیں گے کہ وہ امریکہ کی چاند گاڑی پر بیٹھ کر چاند پر تشریف لے جائیں تا کہ اہل پاکستان

عورت کی حکمرانی سے نجات حاصل کرلیں اور نصرت بھٹو کو بھی قرار آجائے اور محترمہ بھی اپنے پاپا کے پاس پہنچ جائیں۔

اب میں بھٹو کے دربار پر کھڑا ہوں...... اس پر چاندی کا کتبہ آویزاں ہے، ذوالفقار علی بھٹو کے نام کے ساتھ لکھا ہے ''شہید جمہوریت''...... اور پھر یہ قلندرانہ بول بھی رقم ہیں:

دما دم مست قلندر

لعل سخی شہباز قلندر

''شہید'' ایک اصطلاح ہے، جس کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی شہید کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں ''شہید اسلام'' ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شہید کا لفظ اور اصطلاح ہی اسلام کی ملکیت ہے، لہٰذا شہید اسلام کہنے کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں کہ اسلام کے لیے جان دینے والے کے لیے اکیلا لفظ ''شہید'' ہی کافی ہے اور اس سلسلے میں بھی درست عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ شہید کون ہے اور مرتبہ شہادت کس کو ملا ہے......؟......

اب بھٹو صاحب کے لیے ''شہید جمہوریت'' کا جو لقب چنا گیا ہے تو یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ جمہوریت تو انگریز کا نظام ہے، یہ عیسائیوں اور یہودیوں کا وضع کردہ حکومت کرنے کا ایک نظریہ اور نظام ہے جس کا اسلام کے ساتھ نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اسلام کے مقابل ایک نظام ہے۔ لہٰذا اس طرف نسبت کرکے اسلام کی اصطلاح کا استحصال کیا جائے تو یہ بھی اسی طرح کی ایک جسارت ہے کہ جس طرح جمہوریت اور سوشلزم کے ساتھ لفظ ''اسلامی'' تھوپ کر ''اسلامی جمہوریت'' اور ''اسلامی سوشلزم'' کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔

بھٹو کی قبر کے مجاور سے ملاقات:

بہر حال اسلامی سوشلزم کے علمبردار ''شہید جمہوریت'' کے دربار پر اب غلام نبی صاحب

کے پھٹے پرانے کپڑے اور غریبانہ حالت کی طرف دیکھ کر پوچھا:

''آپ یہاں بھٹو خاندان کے قبرستان کی صفائی پر مامور ہیں اور بھٹو صاحب کی قبر پر دربانی کے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں، تو آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''پانچ سو روپے۔''

غلام نبی کی یہ بات سن کر میں حیران رہ گیا!! کہ یہ وہی لوگ ہیں جو ''مساوات'' اور عوامی خدمت کے نعرے لگاتے ہیں اور جب بھٹو کی قبر کے مجاور کا یہ حال ہے تو ان کے باقی ملازمین کا کیا حال ہو گا؟

اب میں نے غلام نبی سے پوچھا:

''جب بھٹو صاحب کی برسی یعنی عرس ہوتا ہے تو یہاں کیا کچھ ہوتا ہے؟''

تو وہ کہنے لگا:

''لنگر چلتا ہے، دیگیں پکتی ہیں، مزار پر چادریں چڑھتی ہیں، بھنگڑا ہوتا ہے اور سندھی ناچ ہوتا ہے۔''

میں نے پوچھا:

''کیا عورتیں بھی ڈانس کرتی ہیں؟''

کہنے لگا:

''جی ہاں! عورتیں بھی خوب ڈانس کرتی ہیں۔''

بھٹو اور شہباز قلندر کے درمیان باہمی خفیہ رابطے:

اب میں نے کہا: ''بابا بھٹو سائیں کی کوئی کرامت ہی سناؤ؟''...... اس پر وہ کہنے لگا: ''کرامتیں ہیں تو بہت۔'' میں نے کہا: ''کوئی ایک ہی سنا دو۔'' کہنے لگا:

''ایک بوڑھی عورت بیٹا لینے آئی تھی، رات خواب میں اسے شہید بھٹو سائیں ملے

اور کہا: ''قلندر کے دربار پر چلی جاؤ۔'' اس پر وہ قلندر کے دربار پر چلی گئی۔ وہاں بار روز رہی، اس کے بعد لعل شہباز قلندر اسے خواب میں ملے اور کہا: ''بابا بھٹو سائیں کے دربار پر چلی جاؤ۔'' اب وہ عورت دوبارہ یہاں آ گئی اور پھر شہید بھٹو سائیں نے اسے بیٹا دے دیا۔''

پھر مجاور غلام نبی نے کہا:

''سائیں! بات یہ ہے کہ اب لعل قلندر سرکار اور بابا بھٹو شہید کے درمیان ایک تعلق قائم ہو گیا ہے۔''

اس پر میں نے کہا:

''اچھا تو اب سمجھ میں آیا کہ بھٹو صاحب کے دربار پر لعل شہباز قلندر کیوں لکھا گیا ہے۔''

غلام نبی نے مزید بتلایا:

''یہاں لوگ آتے ہیں، انھیں منتیں پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''بابا بھٹو! ہمارا فلاں کام کر دو، ہم بکرے کی نیاز دیں گے، دیگ دیں گے'' وغیرہ وغیرہ اور پھر بابا بھٹو ان کے کام کر دیتے ہیں۔''

اتنے میں ایک شخص آ گیا اور یہ باتیں سننے لگا۔ یہ سب سن کر وہ کہنے لگا: ''بھٹو بڑے کرنی والے سائیں پیر ہیں۔''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بابا بھٹو کرنی والا ہے تو وہ اپنی کرسی کے بارے میں کیوں نہ کچھ کر سکے، وہ کرسی کہ جس کے بارے میں بابا بھٹو نے ریڈیو اور ٹی وی پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''میری کرسی بڑی مضبوط ہے۔''

تب حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے چینیانوالی مسجد رنگ محل لاہور میں خطبہ

دیتے ہوئے کہا تھا:

''یہ تکبر کا بول ہے جو میرے مولا کریم کو کبھی پسند نہیں آیا، لہٰذا اب اس کرسی کو الٹنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

اور پھر وہی ہوا، بھٹو صاحب کی کرسی اگلے ہی روز چیف آف آرمی سٹاف نے الٹ دی، پھر یہ کرنی والا بابا کہ جس کے مزار پر نصرت بھٹو ماتھا ٹیکتی رہی، وہ بابا ہے جو اپنی جان پھانسی کے پھندے سے نہ بچا سکا اور بے بسی کا عالم یہ تھا کہ اس کرنی والے بابا کو سٹریچر پر ڈال کر پھانسی گھاٹ تک لایا گیا مگر اب منوں مٹی کے نیچے دب کر یہ بابا لوگوں کو بیٹے دینے لگ گیا ہے۔ اسی طرح کہ جس طرح دوسرے بابے لوگوں کو بیٹے دیتے ہیں مگر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ بابا اپنے ہی بیٹوں شاہنواز بھٹو اور میر مرتضیٰ بھٹو کو بھی نہ بچا سکا اور اپنی بیٹی بے نظیر کو بلاول کے بعد کوئی بیٹا لے کے نہ دے سکا حتیٰ کہ اس نے بختاور کے بعد اپنی بیٹی کا نام آصفہ رکھ دیا اور یہ نام تب رکھا جب نجومیوں اور سہیلیوں نے کہا:

''اگر آپ اس کا نام آصفہ نہ رکھیں گی تو بیٹیاں ہی پیدا ہوتی رہیں گی۔''

مردوں کی نسبت صنف نازک کا عقیدہ کچھ زیادہ ہی نازک ہوتا ہے اور چونکہ بے نظیر کا تعلق بھی صنف نازک سے ہے، لہٰذا آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ خاتون ہو کر بھی وہ توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کا شکار ہو گئی۔

ویسے بعض توہم پرست لوگوں کے ہاں لوہا بھی بڑا کرنی والا ہے کہ جب ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے سر کی جانب لوہے کی چیزیں چاقو، چھری اور تالہ وغیرہ رکھ دیتے ہیں تاکہ بچہ مختلف آفات سے محفوظ رہے۔ اب بلاول کے سرہانے یہ لوہا رکھا گیا تھا کہ نہیں، یہ تو ہمیں معلوم نہیں، البتہ اس وقت محترم نواز شریف سے اتفاق کا بنا ہوا تالا خرید کر وزارت عظمیٰ کی کرسی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔ مگر پھر یہ بھی تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوہا اس قدر کرنی والا ہوتا تو وہ خود جو اس لوہے کے مالک ہیں، کرسی سے نہ اترتے اور پھر بھلا بابا اسحاق انھیں کس طرح اتار سکتا تھا؟

بے نظیر کی والدہ بیگم نصرت بھٹو صاحبہ چونکہ ایران کے شہر اصفہان کی رہنے والی ہیں اور ایران دیکھنے کا مجھے بھی اتفاق ہوا ہے، اصفہان نصف جہان بھی دیکھا ہے، وہ اصفہان کہ جس کے بارے صحیح مسلم میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

''اصفہان کے ستر ہزار یہودی دجال کے پیروکار بن جائیں گے اور ان سب پر سیاہ چادریں ہوں گی۔''

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب فی بقیة من احادیث الدجال: ۲۹۴۴)

حدیث میں ''طیالسہ'' کا لفظ ہے جس کا معنی سیاہ چادر بھی کیا گیا ہے۔

امام ضامن اور مرتضیٰ بھٹو:

بہرحال اس اصفہان سے آگے میں نے تہران کے قریب خمینی کی قبر بھی دیکھی، قم میں ''معصومہ قم'' کا مزار اور ''مشہد'' میں شیعہ حضرات کے آٹھویں امام حضرت علی رضا کا دربار بھی دیکھا۔ شیعہ حضرات ان قبروں کو ''حرم'' کہتے ہیں۔ ان حرموں میں امام علی رضا کا حرم سب سے بڑا اور مقدس مانا جاتا ہے۔ ان کے نام کا شیعہ حضرات بازو پر ''امام ضامن'' بھی باندھتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب اس کا ضامن (محافظ) امام ہو گیا ہے۔ مرتضیٰ بھٹو جب شام کے کمیونسٹ اور نصیری شیعہ حافظ الاسد کے طویل عرصہ تک مہمان رہنے کے بعد کراچی ائیر پورٹ پر اترے...... تو بیگم نصرت بھٹو صاحبہ کے ہاتھ میں امام ضامن تھا، جسے انھوں نے بیٹے کے بازو پر باندھ دیا۔

حضرت علی رضا کہ جنھیں شیعہ روایات کے مطابق زہر دے کر قتل کر دیا گیا...... دوسرے لفظوں میں وہ خود اپنے ضامن بھی نہ بن سکے، تو اب ان کے نام کا جو ''امام ضامن'' ہے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مرتضیٰ بھٹو بہن کے عہد وزارت میں جیل چلے گئے جبکہ ۵ جنوری کو بھٹو کے دربار پر قبضہ کے جھگڑا پر...... ماں نصرت بھٹو کے کئی آدمی وزیر اعظم بیٹی کے دور میں پولیس فائرنگ سے ہلاک ہو گئے جبکہ نصرت بھٹو آنسو گیس کے شیل لگنے سے کھانسی کا

شکار ہو گئیں اور بالآخر بے نظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے دور ہی میں مرتضیٰ بھٹو بھی قتل کر دیے گئے اور بے نظیر کے خاوند آصف زرداری پر قتل کا مقدمہ درج کر دیا گیا۔

قارئین کرام! ہم نے یہ ساری صورتحال اس لیے قدرے تفصیل سے لکھی ہے کہ جس ملک کی حکمران ایسی عورتیں ہوں جو آپس میں بھی خوب لڑیں، اقتدار کے لیے لڑیں، دربار کے لیے لڑیں، قومی اسمبلی میں لڑیں اور شیخ رشید کو گالیاں دیں حتیٰ کہ نسائی حکومت کو معافی چاہنا پڑے اور پھر ان کی توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کا یہ عالم ہو جو آپ نے ملاحظہ کر لیا...... تو پھر اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان بار بار کیوں نہ زبان پر آئے:

((لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً))

(بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ الی کسری و قیصر: ٤٤٢٥)

''ایسی قوم ہرگز فلاح یاب (کامیاب) نہیں ہو سکتی جس نے اپنے امور کی سربراہی کسی عورت کے حوالے کر دی۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کی یہ حدیث کیا ہم سے اس طرح مخاطب نہیں ہو رہی...... کہ ڈوب مرنے کا مقام ہے تمھارے لیے کہ جو تم نے ایرانی مذہب اور مغربی تہذیب کی علمبردار...... ضعیف العقیدہ اور توہم پرست عورتوں کو اپنا حکمران بنا لیا ہے، اپنے ملکی معاملات کے حل کے لیے انھیں مستقل سیاسی لیڈر بنا لیا ہے جن کے جھگڑے کا محور ایک قبر ہے کہ کون اس قبر کی مالک بنے؟ کون بابا بھٹو کے دربار کی گدی پر بیٹھے...... نصرت بھٹو گدی پر بیٹھے؟ یا بے نظیر بھٹو گدی نشینی کا تاج سر پر سجائے؟...... بہر حال اس طویل لڑائی کے بعد آج صورتحال یہ ہے کہ نصرت بھٹو بستر مرگ پر ہے جبکہ بے نظیر بیرونی اکاؤنٹس کے سلسلے میں احتساب کی زد میں ہے۔ اس کے بعد جو سوال میں نے غلام نبی سے کیا وہ یہ تھا کہ ماں بیٹی یہاں آ کر کس طرح سلام کرتی ہیں؟ تو وہ کہنے لگا:

''بے نظیر صرف سلام کرتی ہے، نصرت بھٹو تو اپنا ماتھا دربار پر رکھ کر سلام کرتی

ہے۔''

بھٹو سائیں کی قبر پر قرآن کے نسخے !!:

بابا بھٹو کی قبر پر بہت سارے قرآن کے نسخے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا:

''قبر پر جو قرآن رکھے ہیں تو یہ محض تبرک کے طور پر ہیں یا انھیں پڑھا بھی جاتا ہے؟''

تو وہ بتلانے لگا:

''محمد ملوک یہاں کے مولوی صاحب ہیں، یہ بھٹو خاندان کے مولوی ہیں اور یہ سائیں بھٹو کے دربار پر قرآن خوانی کرتے ہیں۔''

بابا بھٹو کی قبر پر یہ جو چند ایک مناظر میں نے دیکھے تو یہ کوئی انہونے مناظر نہیں بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے درباروں پر ان سے کہیں زیادہ بڑھ کر ضعیف الاعتقادی پر مبنی خرافاتی مناظر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں مگر ذوالفقار علی بھٹو کی قبر پر یہ مناظر اس وجہ سے باعث تعجب ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو تو سیکولرازم کے علمبردار تھے، سوشلزم کے حامی تھے، سر پر ماؤ کیپ سجایا کرتے تھے، شراب خوب پیا کرتے تھے اور اس کا بھرے مجمع میں اعتراف بھی کر لیا کرتے تھے...... اور پھر ان کی بیٹی بے نظیر صاحبہ وہی خاتون ہیں کہ جن کی تعلیم و تربیت مغرب کی یونیورسٹیوں میں ہوئی ہے اور یہ اسی تعلیم کی برکت تھی کہ اس نے اپنی وزارت عظمیٰ کے پہلے دور میں واضح طور پر اسلامی حدود کو وحشیانہ قرار دیا......!! اب تعجب تو اس بات پر تھا کہ ایک طرف روشن خیال بننے کے لیے قرآن کی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اسی قرآن کو بھٹو کی قبر کی زینت بنایا جا رہا ہے اور وہاں ایک مولوی بٹھایا جا رہا ہے تا کہ وہ قرآن خوانی کرتا رہے!!!

سیکولرازم اور صوفیت کے جال:

اس سے تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ سیکولر اور مغرب زدہ لوگ جو اس ملک کے

حکمران بنے ہوئے ہیں، حکمرانی کرتے چلے آ رہے ہیں اور مستقبل میں بھی ان کا یہ پروگرام ہے کہ وہی حکمرانی کرتے رہیں، ایک جانب تو یہ دنیاوی زندگی اپنی مرضی سے بے لگام ہو کر گزارنا چاہتے ہیں، مغربی تہذیب کی آزادیوں سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں، مگر اس کے ساتھ چونکہ یہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں، مسلمان معاشروں سے تعلق رکھتے ہیں اور انھیں حکمرانی بھی مسلمانوں پر کرنا ہے لہٰذا یہ اپنے اسلام کو ظاہر کرنے کے لیے، اپنی نیکی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لیے اس دین اور مذہب کو اپناتے ہیں جس میں شامل روایات اور اعمال کا تعلق اس دین کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں کہ جسے اللہ نے نازل کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اسے لوگوں تک پہنچایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کر کے دکھایا...... لہٰذا یہ صوفی اور سیکولر لوگ سب ایک ہیں۔ کوئی پہلے صوفی ہوتا ہے، بعد میں سیکولر بنتا ہے جیسے سائیں راشد کی گدی کے مالک پیر پگاڑو، ہالہ میں سائیں مخدوم نوح کی گدی کے وارث مخدوم خلیق الزمان اور شاہ جیونہ کی گدی کے تاجدار فیصل صالح حیات ہیں اور اب بھٹو کی بیٹی سیکولرازم سے صوفیت کی طرف آ رہی ہے۔ وہ ہاتھ میں تسبیح رکھتی ہے، اپنے بابا کا عرس مناتی ہے، کرامتوں کا وہاں چرچا ہے اور اس نفع بخش گدی پر بے نظیر کی اپنی ماں اور بھائی کے درمیان خوب لڑائی ہو چکی ہے اور یہ لڑائی بھٹو کے دربار پر قبضہ کرنے کی تھی۔ چنانچہ لوگ تو کہتے ہیں:

''دربار کے اصل وارث مرتضیٰ کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔''

پورے ملک میں گدی نشین حضرات کی لڑائیوں کے کئی قصے اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں، اس سے ان کا مقصد دولت اور جاہ کا حصول ہوتا ہے۔ بھٹو کی قبر بھی اب دولت اور اقتدار کے حصول کا ایک مرکز ہے اور اسی کے لیے بھٹو کی سالگرہ پر ۵ جنوری کو لاڑکانہ میں ماں اور بیٹی کے درمیان جنگ ہوئی تھی جس میں کئی لوگ گولی لگنے سے ہلاک اور زخمی ہوئے۔ نصرت بھٹو کا کہنا تھا:

''میری بیٹی نے میرے شوہر کے مزار پر قبضہ کر لیا ہے، یہ اپنے آپ کو بے نظیر

(بھٹو) کیوں کہلاتی ہے؟ اسے تو بے نظیر زرداری کہلانا چاہیے کیونکہ اس کا خاوند زرداری ہے۔"

غنویٰ بھٹو بھی کود پڑی!

بہر حال یہ لڑائی ابھی جاری تھی کہ مرتضیٰ بھٹو کی جگہ اس کی بیوہ غنویٰ بھٹو نے سنبھال لی، وہ اس منافع بخش درباری صنعت کے جھگڑے میں ایک فریق کی حیثیت سے کود پڑی۔ اب عرس کے موقع پر وہ بھٹو سائیں کے دربار میں جاتی ہے اور ۸ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو انھوں نے لاہور پریس کلب میں تقریر کی اور الزام عائد کرتے ہوئے کہا:

- "نصرت بھٹو بے نظیر کی تحویل میں نہ جانے کن حالات میں ہیں کہ ہمیں ان سے ملنے بھی نہیں دیا جاتا۔"

چیونٹیوں کی ملکہ، بے نظیر اور شہباز قلندر

کہتے ہیں دنیا میں اڑھائی قلندر ہوئے ہیں، ایک پانی پت کے بوعلی قلندر، ایک شہباز قلندر اور رابعہ بصری آدھا قلندر تھیں۔ تو شاید آنے والے وقت میں باقی نصف کا پاٹ بی بی بے نظیر پر کر دے...... اور یوں اڑھائی کی بجائے تین قلندر پورے ہو جائیں۔ ویسے قلندر اور بھٹو سائیں کے درمیان قلندرانہ تعلق پیدا ہو چکا ہے اور یہ شاید اسی تعلق کا سبب ہے کہ بابا بھٹو سائیں کے دربار کی مجاورہ، مالکہ اور گدی نشین بی بی بے نظیر بابا بھٹو کے مزار پر حاضری دینے کے بعد عموماً شاہ باز قلندر کے دربار پر جا پہنچتی ہیں۔ ۱۳ جنوری ۱۹۹۴ء کے اخبارات کے مطابق انھوں نے کہا:

"میں نے قلندر کے دربار پر حاضری دی اور پورے ملک میں بارش برس گئی۔"

ہم محترمہ کو یاد دلاتے ہیں کہ ذرا قرآن بھی پڑھ کر دیکھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے وقت کے ایسے جلیل القدر بادشاہ اور نبی تھے کہ اللہ نے ان سے قبل اور ان کے بعد ان جیسی

کی وہ بولیاں جانتے تھے۔ ان کے باپ حضرت داوٗد علیہ السلام بھی نبی اور بادشاہ تھے۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کی مخلوق بہت پریشان تھی۔ اس لیے وہ اپنے عہد میں اپنے رب سے بارش کی دعا مانگنے کے لیے باہر نکلے۔ وہ اپنے کسی پیشرو نبی کی قبر پر نہیں گئے...... بلکہ براہ راست اپنے اللہ سے مانگنے کے لیے نکلے۔ راستے میں چیونٹیوں کی وزیراعظم بھی اپنی رعایا سمیت بارش مانگنے کے لیے اپنے بلوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ اسے جب پتا چلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے تو وہ یوں اعلان کرنے لگی:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّمْلُ ٱدْخُلُوا۟ مَسَـٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَـٰنُ وَجُنُودُهُۥ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٨﴾ (النمل:١٨)

''چیونٹی کہنے لگی: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاوٗ، کہیں سلیمان اور اس کا لشکر تمھیں پاوٗں تلے نہ روند ڈالے اور انھیں پتا بھی نہ ہو۔''

قرآن کا بیان کردہ یہ واقعہ پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں انسانوں کی وزیراعظم سے بیس صدیوں سے بھی زیادہ قبل چیونٹیوں کی وزیراعظم بڑی دانا، عقلمند، ترقی پسند اور روشن خیال تھی کہ وہ یہ عقیدہ رکھتی تھی کہ غیب صرف اللہ جانتا ہے، سلیمان پیغمبر نہیں جانتے اور یہ کہ وہ بارش مانگنے کے لیے اللہ کی جناب میں نکلی، کسی دربار پر نہیں گئی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ چیونٹیوں کی وزیراعظم بڑے مضبوط عقیدے والی تھی، ضعیف العقیدہ نہ تھی، قبر پرست نہ تھی بلکہ الہ واحد کی عبادت گزار تھی اور اللہ بھی کیسا بے پروا شہنشاہ ہے کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے قبل ہی اس چیونٹی کی دعا قبول کر کے بارش برسا دی۔

باقی جو پاکستان کی وزیراعظم کی بات ہے تو اصل بات تو یہ ہے کہ وہ وزیراعظم ہے، اس لیے اس کی بات اخبارات کی زینت بن گئی، وگرنہ اللہ نے نہ جانے کس کی فریاد سنی؟ اس نے سمندر میں رہنے والی مچھلیوں کی فریاد سنی کہ جو سمندر میں رہنے کے باوجود بارش کی بوندوں کے لیے ترستی رہتی ہیں...... یا کسی کونج کی فریاد سن لی...... کسی مسکین کی سن لی...... تو

اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کی سنی؟ ..... بلکہ فریادیں تو لوگوں نے مندروں میں بھی کی ہوں گی، گوردواروں میں بھی کی ہوں گی اور اب ہر کوئی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق کہے گا کہ میری بھگوان نے سن لی، گورو نے سن لی، سینٹ پال نے بارش برسا دی، نجومی کہیں گے فلاں ستارے کی وجہ سے بارش برس گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے ہی موقع پر فرمایا تھا،

حضرت خالد بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ہمیں صبح کی نماز ایسی رات کو پڑھائی جس میں بارش ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:

"کیا تمھیں پتا ہے کہ اللہ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: "اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "آج صبح میرے بہت سے بندے مومن ہو گئے اور بہت سے کافر ہو گئے، جس نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے، وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں سے اس نے کفر کیا اور جس نے کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔"

(صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب يستقبل الامام الناس اذا سلم : ٨٤٦ ـ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء : ٧١)

قارئین محترم...... اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ یہ بارش محض اللہ کا فضل و کرم ہے اور یہ فضل و کرم اس نے از خود کیا ہے یا کسی کی دعا اور فریاد پر کیا ہے، یہ وہی جانتا ہے، باقی درباروں اور قبروں پر جا کر مردہ لوگوں کو اللہ کے حضور واسطہ و وسیلہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ بزرگ بڑی پہنچ والے ہیں، ہماری فریادوں کو آگے پہنچاتے ہیں اور ہماری فریادوں سے واقف ہیں یعنی وہ غیب جانتے ہیں ...... یہ وہ غیر سائنٹفک، غیر عقلی اور باطل عقیدہ ہے جسے قرآن و

حدیث نے فضول بلکہ شرک قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چیونٹی جیسی سمجھ عطا فرمائے کہ جس کی سمجھ بوجھ کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں کیا ہے۔

سرخ سلام:

بہر حال! سابق وزیر اعظم بی بی بے نظیر کے بابا بھٹو سائیں کے دربار پر جب ہم آگے بڑھے تو بے شمار چادریں تھیں جو سہ رنگی بھی تھیں اور ایک رنگی یعنی سبز بھی تھیں۔ ایک چادر پر لکھا ہوا تھا:

''ہم آپ کی ساتویں برسی پر آپ کو سرخ سلام پیش کرتے ہیں۔''

منجانب: یعقوب مسیح نائب صدر یونٹ ۴۸ ٹاؤن شپ، زون نمبر ۳' لاہور

قارئین کرام! اب ہم ''سرخ سلام'' کا کیا تذکرہ کریں کہ سرخوں کے سرخ انقلاب کو افغانستان میں جہادی طمانچوں اور برسٹوں کے ساتھ ایسا لہو لہان کیا گیا کہ بے چارہ یہ انقلاب اپنی موت آپ مر چکا ہے، اب تو بی بی بے نظیر نے بھی اس کے فوت ہونے کا یقین کر لیا ہے اور سوشلزم کے نعرے کو ترک کر کے دوسرے نعروں کو اپنا لیا ہے۔

کاش! بی بی سمیت تمام لوگوں کو ان بزرگوں کے فوت ہونے کا بھی یقین ہو جائے تو انھیں مشکل کشا، حاجت روا، کرنی والا، دستگیر وغیرہ نہ مانیں، صرف اور صرف ایک اللہ ہی کے ہو جائیں اور اس کے رسول ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ بنائیں۔

''حضرت پیر ضیاء الحق'' کا عرس

جنرل ضیاء نے افغانستان کے جہاد میں جو کردار ادا کیا، وہ بیان کا محتاج نہیں۔ اس جہاد کے بعد ان کی نگاہیں جہاد کشمیر پر بھی تھیں اور یہی وہ نگاہ تھی جو کفر کو گوارا نہ تھی، لہٰذا جنرل صاحب کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ جب وہ منظر سے ہٹے تو تب کئی لوگوں کی نگاہوں سے پردہ ہٹا، جنرل کی زندگی سے بھی پردہ اٹھا اور وہ لوگوں کے محبوب راہ نما بن گئے۔ ان

کی محبوبیت سے ان کے سیاسی جانشینوں اور ان کے بیٹوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور انھیں حق بھی تھا مگر ایک فائدہ انھوں نے وہ اٹھایا کہ جو ہمیشہ قوموں کی گمراہی کا باعث بنا ہے۔ وہ ہے مرنے کے بعد عظیم لوگوں کی پوجا کا تصور۔ اس تصور و عمل کی گمراہی اللہ کے رسول ﷺ کے ایک فرمان سے ملاحظہ کیجیے۔

مومنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں عیسائیوں کا گرجا دیکھا، جس میں تصاویر بھی آویزاں تھیں، اس کا اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''ان میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو یہ لوگ اس کی قبر کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دیتے اور پھر اس شخص کی تصاویر لٹکا دیتے۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں بدترین لوگ ہیں۔''

(رواہ بخاری، کتاب الجنائز، باب بناء المسجد علی القبر: ۱۳۴۱۔ مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن بناء المسجد علی القبور: ۵۲۸)

بلاشبہ جنرل ضیاء الحق شریف النفس، نمازی اور پرہیزگار انسان تھے مگر سب سے بڑا پرہیز کہ جسے کرنے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا اس سے وہ پرہیز نہ کر سکے۔ وہ درباروں پر جاتے رہے، چادریں چڑھاتے رہے، لاہور میں علی ہجویری کے دربار پر راتوں کو جا کر عبادت کرتے رہے اور اس کے ساتھ وہ کعبہ میں بھی جاتے رہے، عمرے کرتے رہے یعنی وہ اللہ کی عبادت بھی کرتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ شرکیہ اعمال کا ارتکاب بھی کرتے رہے۔

اب ان کی غیر معمولی موت کے بعد سب لوگ اپنے اپنے طور پر کہ کوئی جہاد کے حوالے سے، کوئی ان کے اسلامی اقدامات کے حوالے سے اور کوئی ان کے قبروں پر جانے کی وجہ سے ان سے محبت کا اظہار کرنے لگے اور اس اظہار کے لیے سب کا رخ ان کے پہلے عرس (برسی) پر ان کی قبر کی طرف ہو گیا۔ کئی توحید کا نام لینے والے بھی وہاں جا پہنچے اور

دوسرا ظلم یہ ہوا کہ ان کی قبر فیصل مسجد کے پہلو میں بنا دی گئی۔ اس ملک میں یہی چلن ہے۔ علامہ اقبال کی قبر شاہی مسجد کے پہلو میں بنائی گئی۔ حفیظ جالندھری کی قبر مینار پاکستان کے میدان میں بنادی گئی۔ غرض اس طرح سے قبروں کو نمایاں کرنے کا ایک چلن اور رواج ہمارے ہاں موجود ہے حالانکہ قبر کی جگہ قبرستان ہے نہ کہ پارک اور مسجدوں کے دامن...... بہر حال جنرل صاحب کو یہاں دفن کر دیا گیا، پہلی برسی عروج پر تھی۔ اس وجہ سے کہ یہ پیپلز پارٹی کی حکومت میں ہو رہی تھی، دوسری بھی خوب رہی۔ پھر نواز شریف صاحب وزیر اعظم بنے تو تب ردعمل میں کمی واقع ہو گئی اور جب وہ وزیر اعظم نہ رہے تو تب ہم نے ضیاء الحق کی برسی دیکھی۔ یہ برسی اب عرس بن گیا تھا۔ آیئے! آپ کو بھی اس عرس کی جھلکیاں دکھاؤں۔

سٹیج سیکرٹری پکار پکار کر کہہ رہا تھا "شہید ضیاء الحق کے مزار اقدس کا راستہ، امنگوں کا راستہ ہے" یعنی آیے اور یہاں اپنی امنگیں پوری کریے۔ اب بارہ نوجوانوں کا ایک قافلہ آرہا تھا، انھوں نے سبز چادریں تھامی ہوئی تھیں، ان پر آیت الکرسی لکھی ہوئی تھی۔ یہ مخصوص لباس میں آگے آگے تھے اور پیر ضیاء الحق کے دربار کا وارث ان کا بیٹا سابق بینکار اور وزیر، اعجاز الحق پیچھے پیچھے آرہا تھا، نعرۂ رسالت اور نعرۂ حیدری زوروں پر تھا۔

ضیاء الحق کی ایک بڑی تصویر کا پورٹریٹ ایک شخص نے سر پر اٹھا رکھا تھا۔ وہ جلسہ گاہ میں اسے اٹھائے ہوئے گھوم رہا تھا۔ ایسا ہی ایک پورٹریٹ جلسہ کے سٹیج کے سامنے گاڑا گیا تھا۔ اس پر کاغذوں کا سبز گنبد بنایا گیا تھا۔ کچھ لوگ نان اور حلوہ ایک گاڑی میں رکھ کر لے آئے......اور لنگر لوگوں میں تقسیم کرنے لگے۔

جنرل صاحب کا طیارہ جس وقت کریش ہوا تھا اسی وقت دعا مانگی گئی۔ یہ ایک انوکھا کام ہے جو حضرت پیر ضیاء الحق کے عرس پر شروع ہو گیا ہے۔ جس طرح درباروں پر چادریں چڑھتی ہیں اور اس کے گرد ڈھول بجتا ہے اسی طرح ایک چادر آئی، ڈھول اور چمٹے بج رہے

تھے۔ جھنجنے چھنک رہے تھے اور ایک دیوانہ ملنگ ناچ رہا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی ناچ رہے تھے اور بینر پر لکھا تھا:

''عرس مبارک حضرت پیر ضیاء الحق شہید''

جنرل ضیاء الحق کی قبر پر جو برسی شروع ہوئی وہ آہستہ آہستہ میلہ اور اب عرس بن گیا ہے۔ اس عرس میں اب وہی درباری اور خانقاہی رنگ غالب آتا جا رہا ہے۔ لوگوں کا جمگھٹا بھی چھٹ گیا ہے اور اس بار تو انتہائی کم لوگ تھے۔ دو تین ہزار سے زیادہ نہ ہوں گے۔ جناب اعجاز الحق نے ابتدائی برسیوں کو دیکھ کر ضیاء الحق فاؤنڈیشن بنائی۔ اسی فاؤنڈیشن کے تحت آج اس عرس میں نواز شریف صاحب بھی موجود تھے اور حکمت یار بھی تھا۔ اس برسی کے بعد لگتا ہے کہ اعجاز صاحب کے ہاتھ میں اب وہ اعجاز نہیں رہا کہ جسے نواز شریف صاحب نے محسوس کر لیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کو ایک دو بار مجھے بھی بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، وہ بڑے منکسر المزاج تھے۔ ایسے صدر کے بیٹے جناب اعجاز الحق بہرحال تا حال باقاعدگی سے یہ عرس منا رہے ہیں۔

وزارت عظمیٰ کے طویل خوابوں کے بعد اب لگتا ہے کہ وہ مجاوری کی طرف کافی سفر کر آئے ہیں اور یہ سفر انھوں نے جاری رکھا تو مستقبل میں ایک روز یہ صاحب یا ان کا کوئی بیٹا مخدوم بن جائے گا کہ جس طرح مخدوم خلیق الزمان، مخدوم فیصل صالح حیات اور دوسرے ایسے کئی مخدوم اور گدی نشین ہیں جو گدیوں کے بل بوتے پر وزیر بنتے ہیں۔

جناب اعجاز الحق آگے بڑھیے.........:

ایک بات اگرچہ اعجاز الحق صاحب آپ کو کڑوی لگے مگر ہم بتائے دیتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق کی سیاسی وراثت میاں نواز شریف صاحب لے اڑے، اب آپ کے پاس فقط گدی نشینی کی وراثت ہے، اگر آپ کا مخدوم بننے کا پروگرام ہے تو...... اگر نہیں ہے تو ہمارا

مجبوریوں سے یا نہ جانے کس بنا پر قبروں پر پھیرے لگانے سے پرہیز نہ کر سکے۔ آپ اس چلن سے پرہیز کیجیے۔ توحید کا عقیدہ اپنایے! آگے بڑھیے! اور جہاد کا کام کیجیے کہ جس طرح جنرل ضیاء الحق اور جنرل اختر عبدالرحمان نے کیا تھا اور جناب نواز شریف صاحب سے بھی عرض کریں گے کہ طاہر القادری سے ڈسے جانے کے بعد اب درباروں کی بجائے فقط کعبہ کے ہو جایے کہ یہ قبروں والے بقول علامہ اقبال...... ع

"مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن"

دعا ہے کہ اللہ توحید و جہاد کی خالص نعمت سے نوازے۔ (آمین!)



باب ششم

اہل سندھ کا استحصال

اگر تم میں سے کوئی شخص کسی انگارے پر بیٹھے اور وہ انگارا اس کے کپڑوں کو جلا دے پھر اس کے بدن کو جا لگے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر (مجاور بن کر) بیٹھے۔ (مسلم)

ولایت اور پیری مریدی کے پردہ میں
اہل سندھ کا
دینی اور دنیاوی استحصال

سندھ کے غریب پس رہے ہیں، وہاں کے ہاریوں کا استحصال ہو رہا ہے...... اور یہ تاثر کہ پنجاب سندھ کا استحصال کر رہا ہے۔ جی ہاں! یہ سب باتیں درست ہیں مگر جو لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، ان کی سمتیں غلط ہیں اور اشارے الٹ ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان سمتوں کو درست کر لیا جائے اور اشاروں کو سیدھا کر لیا جائے۔

سندھ سے شروع کردہ درباری سفر کے سلسلے میں ابھی ہم ''حیدر آباد'' پہنچ پائے تھے...... حیدر آباد سے ہماری منزل ''سہون'' کا شہر تھا جو ''شہباز قلندر'' کے نام سے معروف ہے اور حیدر آباد سے تقریباً دو گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ سو میں ''سہون'' پہنچ گیا۔

اڑھائی کیوں؟ قلندر پورے تین کیوں نہیں؟:

درباری لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ دنیا میں اڑھائی قلندر ہوئے ہیں، ایک ہندوستان کے شہر ''پانی پت'' میں بو علی قلندر، دوسرا پاکستان کے صوبہ سندھ کا شہباز قلندر اور تیسری قلندرہ...... رابعہ بصری ہے، جو عراق کے شہر بصرہ کی رہنے والی تھی، چونکہ وہ عورت تھی اس لیے وہ آدھا قلندر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس روایت کا سرچشمہ کیا ہے؟ یہ کہاں

سے آئی ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے؟ تو تصوف کی دنیا میں اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ 'طریقت کے راز ہیں، یہ ولایت کی باتیں ہیں، یہاں دلائل نہیں پوچھے جاتے۔ دلائل پوچھنا گستاخی کے زمرے میں آتا ہے، یہاں تو سینہ بسینہ باتیں چلتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ قطب، غوث، ابدال اور قیوم جو اولیائے کرام کی اقسام ہیں، ان کے بارے میں تصوف کی دنیا میں سنتے ہیں کہ قطب وہ ہوتا ہے جس کے بل بوتے پر اس دنیا کا چکر جاری وساری ہے۔ کیونکہ پرانے وقتوں کی آٹا پیسنے والی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان جو ''کلی'' (ڈنڈا سا) ہوتی تھی اسے قطب کہتے ہیں۔ اب یہ پاٹ اسی کے بل بوتے پر گھومتے ہیں۔ لہٰذا قطب بھی اس دنیا کی کلی ہے۔

اللہ کا وزیراعظم اور پارلیمانی نظام تصوف:

اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی غوث ہی نہیں بلکہ ''غوث الاعظم'' یعنی ''بڑے فریاد رس'' ہیں اور جو ابدال ہے تو یہ بھی ہر صدی میں ایک ضرور ہوتا ہے مشرق و مغرب کی بعض اقلیمیں اس کے سپرد ہوتی ہیں اور جو ''قیوم'' ہے اس کی صفات تصوف کی کتابوں میں پڑھیں، ''مجدد الف ثانی'' کہ جنھیں ''قیوم اول'' کہاجاتا ہے، ان کی اولاد نے جو اس کی فضیلتیں بیان کی ہیں، ان کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کا وزیراعظم لگتا ہے...... اور یہ وزیراعظم بھی پارلیمانی نظام والا لگتا ہے کہ جس میں اصل اختیارات وزیراعظم کے پاس ہوتے ہیں اور صدر کے پاس آٹھویں ترمیم نہیں ہوتی...... جو حقیقت حال جاننا چاہے، وہ میری کتاب ''آسمانی جنت اور درباری جہنم'' کا مطالعہ کرے۔

قارئین کرام! تو ولیوں کی یہ جو اقسام ہیں، ان کے بارے میں تصوف کی کتابوں میں لکھا ہوا ملتا ہے کہ یہ کس ''شان بلند'' کی حامل ہستیاں ہیں۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ ان کی شانیں بلند کرنے میں اللہ کی کیا کیا گستاخیاں ہوتی ہیں، اس کی کسی کو پروا نہیں۔ بے شک قرآن ان درباریوں کو آوازیں دے دے کر پکارتا رہے:

مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ (نوح:١٣-١٤)

''اوہ! تمھیں کیا ہوگیا کہ تم اللہ کے وقار کا کوئی خیال نہیں کرتے حالانکہ اس نے تمھیں ایک کے بعد دوسری حالت میں لا کر پیدا کیا ہے۔''

ملکہ ترنم نور جہاں کے بقول شان قلندر:

مگر آج یہاں قرآن کی سنتا کون ہے؟ تصوف کی دنیا میں تو سنی جاتی ہے قوالوں اور گویوں کی اور ان کے منہ سے جو نکل جائے وہی درباری دنیا کا مذہب بن جاتا ہے...... اب یہ جو قلندر ہے، اس کی شان کے کیا ہی کہنے۔ سبب ظاہر ہے کہ وہ آج تک ہوئے ہی اڑھائی ہیں، تو پھر اس کے مرتبہ کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے، لیکن اس کا مرتبہ جانا کیسے جائے؟ تو اس مقصد کے لیے ملکہ ترنم نور جہاں کے بول ملاحظہ کیجیے۔

شہباز کرے پرواز
تے جانے راز دلاں دے
سخی شہباز قلندر
دما دم مست قلندر
علی دا پہلا نمبر
علی دم دم دے اندر
ہو لال میری............

ملکہ ترنم کے بولوں سے پتا چلا کہ شہباز قلندر کی کیا شان ہے اور اس کی روحانی پرواز کا یہ عالم ہے کہ وہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دلوں کے راز تو سب ہی ولی جانتے ہیں، تو پھر قلندر میں کیا خاص بات ہوئی؟...... ہاں! تو بات یہ ہے کہ جس طرح ڈاکٹر عام طور پر ساری بیماریوں سے واقف ہوتے ہیں اور علاج بھی کرتے ہیں لیکن ان میں سے بعض بعض بیماریوں کے سپیشلسٹ اور کنسلٹنٹ ہوتے ہیں، یعنی دل، دماغ، گردہ، آنکھوں اور معدے وغیرہ کے سپیشلسٹ۔ تو شہباز قلندر اپنی پرواز کے بل بوتے پر

دلوں کے راز جاننے کے سپیشلسٹ ہیں۔

اور پھر یہ وہ بزرگ ہیں کہ کاغذی بتوں کی شکل میں ان کا ایک آئیڈیل بت بنایا گیا ہے، جو پورے ملک میں بکتا ہے اور گھروں میں سجایا جاتا ہے...... وہ اس طرح سے ہے کہ دربار کے صحن میں حضرت لعل شہباز قلندر سرخ اور بھڑکیلا شاہانہ لباس زیب تن کیے ہاتھ بلند کیے، کمر تھوڑی سی خم آلود اور پیچ دار بنائے ہوئے، ایک پاؤں ذرا اوپر اٹھائے ہوئے ہیں...... اڑنے والے پروں سے بھی سجے ہوئے ہیں۔

اب ایسے ولی اور قلندر کو دیکھ کر...... کہ جب عقیدہ بھی یہ ہو کہ وہ دلوں کے راز جانتا ہے اور بمطابق فرمان نور جہاں، وہ بلائیں ٹالتا ہے، تو پھر وہاں ہر کوئی ناچے گا، رقص کرے گا، دھمال ڈالے گا، تاکہ قلندر کو خوش کیا جائے اور وہ خوش اسی وقت ہو گا کہ جب اس کی اداؤں کو اپنایا جائے۔

چنانچہ اب نور جہاں کو گانا گانے سے کیا شے مانع ہو گی اور اس کے گانے پر گوری یا انجمن یا کوئی اور اداکارہ فلموں میں رقص کرے گی تو اسے کون سی شے روکے گی؟ اور دیکھنے والے بھی یہ منظر دیکھیں گے تو انھیں اس منظر میں فحاشی دکھائی نہیں دے گی، بے شرمی کا خیال نہیں آئے گا...... کیوں؟ اس لیے کہ اس بے شرمی پر درباری ولایت کی چادر فضیلت جو پڑی ہے، اس بے حیائی پر تصوف کی خلعت خلافت جو موجود ہے اور اس فحاشی پر خانقاہی تقدس کی دستار فضیلت جو سجی ہے۔

قلندر کے دربار پر:

قلندر، مستی اور دھمال...... تینوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں، کیونکہ قوالوں اور نور جہاں نے تصوف کے بول یوں بولے ہیں اور اپنے بولوں کا اختتام یوں کیا ہے۔

مست مست مست

دما دم مست قلندر

لال شہباز قلندر

مست مست مست

مستی کے مناظر:

اب ہم نے سچ مچ یہاں مستی کے مناظر دیکھے، زائرین مرد اور عورتیں کمرا نما برآمدوں اور ایک بڑے سے ہال میں لیٹے ہوئے تھے۔ ایک جگہ مستی لانے والی اشیاء کے کش لگ رہے تھے، اور یہ لوگ دنیا وما فیھا سے بے نیاز مستیوں میں گم تھے۔ اس دربار کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ ہر شام دربار کے دروازے پر ڈھولکیوں کی تھاپ پر خوب دھمال ہوتی ہے۔ تب عورتوں اور مردوں کا کوئی امتیاز نہیں رہتا جبکہ دربار کے بیرونی صحن میں اس وقت بھی دھمال جاری تھی۔

کنواری لڑکی اور قلندر میں شادی کا کھیل:

اور جو میلے یعنی قلندر کی شادی کے دن ہوتے ہیں، ان کی تو بات ہی نرالی ہے۔ ۸، ۷، ٦ شعبان کو شادی کا تین روزہ جشن ہوتا ہے۔ یہ بات معروف ہے کہ قلندر کی شادی نہیں ہوئی تھی ، لہٰذا یہ شادی پھر پرانے وقتوں میں تو یوں منائی جاتی تھی کہ ایک لڑکی دربار کے اندر بٹھا دی جاتی اور کہا جاتا کہ اس کے ساتھ قلندر کی شادی ہوئی ہے، پھر وہ لڑکی شادی کے بعد مر جاتی......اب وہ کیسے مرتی ہوگی؟ اس کا تصور ہی دل دہلا دیتا ہے۔

کیا شہباز قلندر کا دربار ہندوؤں کا دربار ہے؟:

بہر حال قلندر کے مرید آج بھی اس مہینے میں شادی نہیں کرتے۔ اب وہ لڑکی والی جاہلانہ رسم تو مفقود ہوگئی ہے مگر شادی کا تصور ہنوز موجود ہے اور اب اس تصور کو عملی روپ اس طرح دیا جاتا ہے کہ لال شہباز کا دربان لال داس ہندو جو اس دربار کے متولیوں میں سے ہے، مہندی نکالتا ہے اور شادی کی باقی ماندہ رسومات ادا کرتا ہے۔ یاد رہے! مہندی نکالنا خالص ہندوانہ رسم ہے، جو شادیوں پر سرانجام دی جاتی ہے۔ چنانچہ لال داس اپنے

مذہب کے مطابق مہندی نکال کر لعل شہباز کی شادی سرانجام دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جن سیدوں نے اس دربار کی گدی سنبھالی ہوئی ہے وہ لال داس کے مرید ہیں۔ چنانچہ یہ وہ دربار ہے کہ جہاں سندھ کے ہندو بھی سلام کرنے آتے ہیں اور مسلمان کہلانے والے بھی سلام کرنے آتے ہیں..... اور لاڑکانہ کے ایک بزرگ نے مجھے بتلایا کہ ''سہون'' سے ذرا دور ''سن'' کے باسی جی ایم سید نے ایک تاریخی اور تحقیقی کتاب غالبًا ''قلندر نامہ'' تحریر کی تھی جو لائبریریوں میں آج بھی مل جاتی ہے۔ اس نے ثابت کیا تھا کہ یہ دربار، اس کے پجاری اور جو بعد میں ولی مشہور ہوئے، درحقیقت سب ہندو تھے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کی تولیت آج بھی لال داس ہندو کے ہاتھ میں ہے کہ جس کی سربراہی میں سب مل کر مست مست کرتے ہوئے دھمالیں ڈال رہے ہیں۔

پتھر کا دل چاندی کے خول میں

قلندر کی قبر پر لوہے کے بڑے بڑے تین ''گلے'' پڑے تھے، جنہیں خزانہ کہا جاتا ہے۔ عورتیں اس میں نوٹ ڈال رہی تھیں اور چمٹ چمٹ کر آہ وزاری میں مصروف تھیں۔ یہاں ایک پتھر کا ٹکڑا بھی چاندی کے خول میں لٹک رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ ''یہ قلندر کا دل ہے۔'' بہرحال ہر کوئی اس دل کو عقیدت سے چھو رہا تھا۔ اسی طرح دربار کے دروازوں پر جا بجا چاندی کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔ لوگ اس چاندی کو بوسے دے رہے تھے جبکہ قبر پر تو سجدہ ریزی بھی خوب ہو رہی تھی۔ پچھلے دنوں قلندر کے دربار کا گنبد گر گیا اور درجنوں مرید مارے گئے۔ اس کے بعد کروڑوں روپیہ صرف کر کے نیا گنبد بنایا گیا ہے۔

عالم چنا اور وہابن چیونٹی:

تو یہ تھا قلندر کا دربار کہ جس کا چرچا کرنے میں سب سے زیادہ کردار اس دربار کی مریدنی نور جہاں کے گانے نے ادا کیا ہے..... اور اس کے بعد جس کی وجہ سے اس دربار کے چرچے میں قدرے اضافہ ہوا، وہ ہے ''عالم چنا'' کہ وہ دنیا کا سب سے طویل قامت

شخص تھا، جسے پوری دنیا میں شہرت مل چکی تھی۔ وہ اس دربار کے جاروب کشوں میں شامل تھا، یہیں رہتا تھا۔ ہمارے ایک ساتھی نے اسے ایک ہوائی سفر میں سمجھایا تھا کہ تو شرک نہ کر، اللہ کا موحد بندہ بن کہ جس نے تجھے بنایا ہے تو وہ فوراً کہنے لگا:

''تو وہابی ہے، مجھ سے بات نہ کر۔''

اتفاق کی بات ہے کہ ہمیں یہ نہیں ملا وگرنہ میں اسے یہ ضرور کہتا کہ دیکھ! اگر لمبے قد کی وجہ سے آج لوگ تیری عزت کرتے ہیں، تجھے دیکھنے آتے ہیں، جاپان اور امارات جیسی بیرونی حکومتیں تجھے اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتی ہیں تاکہ تجھے دیکھیں تو غور طلب بات یہ ہے کہ اس عزت کا سبب کیا ہے؟ لامحالہ وہ لمبا قد ہے۔ تو یہ قد کس نے لمبا کیا ہے؟ یہ اسی نے کیا ہے کہ جس مالک نے تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ کیا تھا اور اس مالک نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی بنایا اور وہی ہے جس نے تجھے بنایا...... مگر افسوس ہے کہ تو قلندر کی قبر پر پڑا ہے...... تو...... تو اس زرافے سے بھی گیا گزرا ہے کہ جس کا قد اور گردن تمام جانوروں سے لمبی ہے مگر وہ اللہ کا بنایا ہوا جانور ایسا توحید پرست ہے کہ کبھی کسی زرافے کے سامنے نہیں جھکا، اس نے کبھی کسی اڑنے والے شاہ باز کو اپنا دستگیر اور غوث نہیں مانا...... لوگ اس زرافے کو بھی دیکھنے جاتے ہیں، بڑا خوبصورت اور لمبا جانور ہے مگر تجھ سے کس قدر افضل اور برتر ہے کہ وہ چڑیا گھر میں رہتا ہے، اپنے کسی ہم جنس کی قبر پر نہیں رہتا...... اور یہ پھر زرافہ ہے، جو بڑا لمبا اور بڑا حسین وجمیل ہے جبکہ یہاں تو حال یہ ہے کہ حشرات الارض یعنی زمینی کیڑوں میں سے جو چیونٹی ہے، وہ بھی اس قدر توحید والی ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں بارش کی دعا کرتی ہے مگر نہ تو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بارش کی درخواست کرتی ہے اور نہ اللہ کے حضور دعا کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واسطہ دے کر بحق سلیمان یا بحرمت سلیمان وغیرہ کا کوئی لفظ زبان سے نکالتی ہے بلکہ قرآن کے الفاظ میں تو وہ یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ غیبوں اور رازوں کا جاننے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں، سلیمان علیہ السلام بھی نہیں۔ وہ کہہ رہی ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَاأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٨﴾ (النمل:۱۸)

''چیونٹی کہنے لگی: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان (علیہ السلام) اور اس کا لشکر تمھیں (پاؤں تلے) نہ روند ڈالے اور انھیں پتا بھی نہ ہو۔''

غور فرمایے! چیونٹی بھی کس قدر توحید والی ہے کہ اپنا یہ عقیدہ ظاہر کر رہی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کہ جن کا تخت ہواؤں میں اڑتا تھا، جو پرندوں کی بولیاں جانتے تھے، جنات پر حکومت کرتے تھے، وہ بھی غیب نہیں جانتے، چھپے ہوئے راز نہیں جانتے مگر تم لوگ انسان بن کر اور پھر اشرف المخلوقات کا دعویٰ کر کے کر یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ ع

''شاہ باز کرے پرواز تے جانے راز دلاں دے''

افسوس! تمھاری ایسی انسانیت پر...... ایسی ذہنیت پر...... کہ اس سے تو چیونٹی بہتر ہے جو حشرات الارض کہلاتی ہے اور تم اشرف المخلوقات بنتے ہو...... تم کتنے پست ہو...... اور چیونٹی کی سوچوں کی پرواز کتنی بلند ہے...... کس قدر اعلیٰ...... اور کس قدر ارفع ہے کہ اللہ نے اس کی سوچ کا تذکرہ قرآن میں کر دیا ہے ع

''شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں چیونٹی کی بات''

مگر مجھے اب بھی ڈر ہے...... کہ اے قبروں پر جھکنے والے! کہیں تو چیونٹی کو بھی ''وہابن'' نہ کہہ ڈالے۔

ہاں تو ذرا سن! اور مزید کان کھول کر سن کہ اس وہابن چیونٹی کی اللہ کے ہاں کیا قدر ہے۔ اس کی قدر کو دیکھ اور اس کی عظمت کا اندازہ کر کہ یہ عظمت جو اسے اللہ نے دی ہے تو توحید کی برکت سے دی ہے۔ صحیح بخاری ''کتاب الجہاد'' میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

''(پہلے وقتوں میں) نبیوں میں سے ایک نبی کو چیونٹی نے کاٹ لیا۔ اس پر نبی نے چیونٹیوں کی بستی کو جلا دینے کا حکم دیا چنانچہ وہ بستی جلا دی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

اس نبی کی طرف وحی بھیجی:

((اَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ اَحْرَقْتَ اُمَّةً مِنَ الْاُمَمِ تُسَبِّحُ اللّٰهَ ؟))

(بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب : ٣٠١٩)

''تجھے ایک چیونٹی نے کاٹا تو تو نے امتوں میں سے ایک امت کو جلا دیا کہ جو اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔''

یعنی اللہ نے ناراضی کا اظہار کیا کہ میری عبادت کرنے والی توحید پرست امت کو راکھ کا ڈھیر کیوں بنا دیا؟ آگ کی سزا کیوں دی؟ کیونکہ آگ کی سزا دینا صرف اللہ ہی کو لائق ہے۔ وہی آگ میں جلانے کی سزا دے گا اور یہ سزا اہل شرک کے لیے ہے، مشرکین کے لیے ہے کہ جو جہنم کا ایندھن بنیں گے، موحدین کے لیے نہیں۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین!)

بھٹ شاہ اور سرور نوح کے مزارات:

حیدر آباد سے ایک گھنٹے کے فاصلے پر، جی ٹی روڈ سے دو تین کلو میٹر ہٹ کر، شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مزار ہے۔ سندھی میں ''بھٹ'' ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں ۔ یہ صوفی شاعر چونکہ دنیا اور اہل دنیا سے الگ تھلگ ہو کر، اس بے آباد ٹیلے پر ریاضت کیا کرتے تھے اور صوفیانہ شعر کہتے تھے، اس لیے ان کا مزار بھٹ شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس طرح الگ تھلگ ہونے کی حیثیت کیا ہے؟ یہ البتہ ایک الگ بات ہے اور شاید نام نہاد محبان رسول کے بارے میں نہیں ہے اور وہ بات یہ ہے:

((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ))

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔''

تصوف شکن فرمان رسول ﷺ:

یعنی دنیا سے الگ تھلگ ہو کر ریاضت و عبادت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے اور ایسا کام اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات اور عمل کے بہر حال خلاف ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ

کا یہ واقعہ بھلا کس سے پوشیدہ ہے کہ ایک ، جہادی قافلہ کسی بڑے ہی خوبصورت منظر سے گزرا، کہ جہاں پانی کا چشمہ تھا، خط سرسبز تھا، تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک صحابی رسول کو یہ منظر بڑا اچھا لگا تو اس نے کہا:

((لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هَذَا الشِّعْبِ وَ لَنْ اَفْعَلَ حَتّٰى اَسْتَأْذِنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مُقَامَ اَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ يُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اُغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ))

(سنن ترمذی، أبواب فضائل الجهاد، باب ما جاء فی الغدو والروح فی سبیل الله: ۱٦٥٠ ۔ و صححه الألبانی)

"(کتنا ہی اچھا ہو) اگر میں لوگوں سے الگ تھلگ اس وادی میں ڈیرا ڈال لوں (رہبانیت اختیار کرلوں) لیکن میں یہ کام رسول اللہ ﷺ سے اجازت لیے بغیر نہیں کروں گا۔ تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس خواہش کا اظہار کیا تو امام الانبیاء نے فرمایا: "ایسا نہ کرنا، تمھارا اللہ کی راہ (جہاد) میں کھڑا ہونا اپنے گھر میں بیٹھ کر ۷۰ سال نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرما دے اور تمھیں جنت میں داخل فرما دے؟ (اگر چاہتے ہو تو پھر) اللہ کی راہ میں لڑائی کرو۔ (کیونکہ) جس نے اونٹنی کے دودھ دوہنے کے بقدر اللہ کی راہ میں قتال (لڑائی) کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔"

معلوم ہوا اسلام میں "رہبانیت" نام کی کوئی چیز ہے تو وہ بھی قتال فی سبیل اللہ ہے۔

غور فرمائیں! اب یہ ساری چیزیں اجر و ثواب کا باعث ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ہی کا ایک فرمان ہے:

((يَعْجَبُ رَبُّكُمْ مِنْ رَاعِي غَنَمٍ فِي رَأْسِ شَظِيَّةٍ بِجَبَلٍ يُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ وَ يُصَلِّي فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ انْظُرُوا إِلَى عَبْدِي هٰذَا يُؤَذِّنُ وَ يُقِيمُ لِلصَّلَاةِ يَخَافُ مِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي وَ أَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ))

(ابو داؤد، كتاب صلوٰة السفر، باب الأذان في السفر ۱۲۰۳ ـ ارواء الغليل للألباني : ۲۱٤)

''تمھارا رب بکریوں کے اس چرواہے پر جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر ہے، بڑا خوش ہوتا ہے جو نماز کے لیے اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میرے اس بندے کو دیکھو! اذان کہتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے، مجھ سے ڈرتا ہے۔ بے شک میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔''

آج ولی ہی اسے مانا جاتا ہے جو جنگلوں اور بھٹوں کی خاک چھانتا پھرے، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کا اسوہ یہ بتاتا ہے کہ ولی وہ ہے جو معاشرے میں رہ کر ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ سرانجام دے اور پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔

بہرحال...... درباری دنیا کا چلن الگ ہے۔ سارے جہاں سے الگ تھلگ ہو کر بھی ان کی جو عبادت و ریاضت ہے، وہ بھی آلات موسیقی کی محتاج ہے۔ چنانچہ بھٹائی شاہ کے دربار کے سامنے چوک پر ایک بہت بڑا لکڑی کا ''گٹار'' نصب ہے، یہ اس دربار کے مزاج کی پہلی علامت ہے۔

جی ہاں! یہ وہ علامت ہے کہ جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے واضح طور پر فرمایا:

''کہ مجھے آلات موسیقی توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

مگر محکمہ اوقاف کو پیسا چاہیے اور وہ دین کے نام پر اس ٹیلے سے خوب کمایا جا رہا ہے۔

پھر ہم ''باب نوح'' میں داخل ہو گئے:

''ریتلا بھٹ'' کہ جو اب محکمہ اوقاف کا ''درباری بھٹ'' بن چکا ہے۔ اس سے واپس جی ٹی روڈ پر آئے تو ۱۵ کلو میٹر بعد ''ہالہ'' شہر آ گیا۔ جی ٹی روڈ پر ہی بہت بڑا دروازہ بنایا گیا ہے جس پر ''باب نوح'' لکھا ہوا ہے اور پھر یہ راستہ سیدھا جناب نوح کی درباری قبر پر جا کر ختم ہوتا ہے...... اس قبر کا نام کچھ اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

''درگاہ غوث الحق مخدوم نوح''

یعنی یہ درگاہ مخدوم نوح کی ہے، جو اللہ کا غوث ہے...... اب یہ دعویٰ جو ان درگاہ والوں نے کیا ہے، تو اس کی تصدیق کے لیے آیے اللہ تعالیٰ سے پوچھیں کہ کیا واقعی اے اللہ! تو نے مخدوم نوح کو اپنا غوث بنایا ہے؟ اللہ کی طرف سے آواز آتی ہے...... یہ آواز حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتی ہے اور قیامت کے دن تک قرآن میں درج ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ ﴿٤٠﴾ (یوسف: ۴۰)

''تم لوگ اللہ کے علاوہ محض بناوٹی ناموں کی عبادت کرتے ہو، جنھیں تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے تجویز کر رکھا ہے۔ (جبکہ) اللہ نے اس پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔''

یعنی یہ غوث بمعنی ''فریاد کو پہنچنے والا'' اے لوگو! تم نے جناب نوح کو بنا رکھا ہے تو یہ سب تمھاری اپنی ایجادیں ہیں، اللہ تمھاری ان ایجادوں کو نہیں مانتا۔

''برہمنیت اور مخدومیت'' (استحصال کی دوسری قسم)

درباری گدی نشینوں کے لیے ''مخدوم'' ایک ایسی اصطلاح ہے جو اب بہت عام ہو چکی ہے۔ پنجاب اور سندھ کے اکثر گدی نشین اپنے آپ کو مخدوم کہلاتے ہیں۔ جیسے مخدوم طالب

المولی......اور مخدوم امین فہیم...... پیر پگاڑو کا ایک رشتہ دار مخدوم حسن محمود...... ملتان کے مخدوم سجاد حسین قریشی وغیرہ۔

برہمن اور مخدوم:

یاد رہے! خدمت، خادم اور مخدوم ایک ہی مصدر و مادے کی مختلف شکلیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو گدی نشین ہیں، یہ خاندانی طور پر نسل در نسل مخدوم ہیں۔ یعنی ایسی مخلوق کہ جس کی خدمت ہمیشہ سے کی گئی اور آئندہ بھی کی جائے گی۔ اب جو ان کی خدمت کریں گے وہ خادم ٹھہرے یعنی یہ جو ہاری، مزارع اور مرید وغیرہ ہیں، یہ سب خادم ہیں......اور ان کا کام خدمت کرنا ہے۔

یہ خدمت ہے کیا؟ خدمت یہ ہے کہ جب ان بزرگوں کا عرس ہو تو اس عرس میں شرکت کی جائے، وہاں نذریں دی جائیں خزانوں کو نوٹوں سے بھرا جائے، مریدنیاں اپنے زیورات نچھاور کریں...... اور پھر یہ سارا مال مخدوم صاحب کی خدمت کے لیے حاضر کر دیا جائے۔ مزید برآں ہر جمعرات اور اس کے علاوہ بھی گاہے گاہے حاضری جاری رہنی چاہیے۔

پھر جب الیکشن کا وقت آئے تو ان خادموں کو انتخابی صندوق میں مخدوم صاحب کو ووٹ پیش کرنا چاہیے تاکہ وہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچ کر ان خادموں کی جو دولت ٹیکسوں اور چونگیوں کی صورت میں حکومت کے خزانے میں جمع ہو رہی ہے، وہ اسے بھی اپنی خدمت میں لا سکیں...... ملوں، کاروں کے پرمٹ حاصل کریں...... پلاٹ لیں......کروڑوں کے قرضے لے کر معاف کرائیں......اور وزارتوں کے مزے اڑائیں......

قارئین کرام! خادم لوگ...... ایسی خدمت...... بجا لا رہے ہیں اور مخدوم لطف اندوز ہو رہے ہیں...... اپنے باپ دادا کی قبروں کی گدیوں پر بھی اور حکومت کے ایوانوں میں بھی۔

علامہ اقبال نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے ع

برہمن اور مخدوم ایک ہی تصویر کے دو رخ:

اب برہمنیت کیا ہے؟ وہ بھی تو یہی ہے کہ جس میں برہمن کے پاس مندر کی تقدیس کا بلند مقام یعنی ''پنڈت'' ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے سیاست پر بھی وہی چھایا ہوتا ہے۔ جیسے پنڈت نہرو کا خاندان کہ وہ بھی برہمن تھا اور برہمن کا مطلب مخدوم ہے یعنی ایسی قوم کہ جو حکومت کرے گی، مذہبی اور دنیاوی سیاست اس کے پاس ہو گی۔ اس کے بعد کھشتری، ویش اور شودر ہیں اور ان سب کا کام ''برہمن'' کی خدمت ہے۔ تو علامہ اقبال نے بڑا خوبصورت اور حقائق کے عین مطابق نقشہ کھینچا ہے کہ...... یہ لوگ جو مریدوں کے دیے ہوئے نذرانے پر پلتے ہیں، یہ دراصل کعبے کے برہمن ہیں، جو بتوں کی طرح اپنے آپ کو پجوا رہے ہیں اور یہ جو نذرانے لے رہے ہیں، علامہ اقبال ان نذرانوں پر بھی چوٹ کرتے ہوئے کہتے ہیں ؏

''نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا''

اے قارئین کرام! یہ برصغیر میں آریائی ہندوؤں کی وہ برہمنیت ہے کہ جس کی شکل مسلمانوں میں اب ''مخدومیت'' کے نام سے فروغ پذیر ہے۔

حقیقی استحصال کیا ہے؟:

آج یہ جو ایک عرصہ سے ہر طرف استحصال استحصال کے نعرے لگ رہے ہیں تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ نعرے کون لگا رہے ہیں اور یہ استحصال ہے کہاں......؟؟ یاد رکھیے! استحصال صرف دو ہی طرح کے ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ دنیاوی استحصال۔

۲۔ دینی استحصال۔

قارئین کرام! اب غور کیجیے کہ ان دونوں میں کس کا ہاتھ ہے ؟ یقین جانیے! ان دونوں میں سب سے زیادہ ہاتھ جاگیر دار پیروں اور گدی نشینوں کا ہے۔ اس لیے کہ اپنی قبوری

گدیوں اور حکومتی ایوانوں میں تو یہ لوگوں کے اموال کا استحصال کرتے ہی رہے ہیں اور جو اصل استحصال ہے، وہ لوگوں کے عقیدے کا استحصال ہے۔ انھوں نے لوگوں کی آخرت کو بھی برباد کر دیا ہے اور یہ سب سے بڑا استحصال ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کی کوئی حد نہیں، تو یہ پیر جو لوگوں کو شرک کی بھٹیوں میں جھونک کر جہنم کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ یہ ہے سب سے بڑا استحصال، یہ ہے سب سے بڑا ظلم جو یہ لوگ اپنے آپ پر بھی کر رہے ہیں اور اپنے ماننے والوں پر بھی مگر ان کے ماننے والے زیادہ بدنصیب ہیں۔ اس لیے کہ ان کی اکثریت کی قسمت میں دنیا کی بھی بدنصیبی ہے، غربت اور مفلسی ہے اور آخرت کا بھی خسارہ ہے۔

یہ جو دنیوی اور دینی استحصال ہے، یہ سب سے زیادہ سندھ میں ہے اور اس کے بعد پنجاب میں ہے، اس کے بعد بلوچستان اور چوتھا نمبر سرحد کا ہے، جبکہ یہ استحصال کشمیر میں بھی جاری ہے۔ سندھ جہاں سب سے زیادہ استحصال ہو رہا ہے اور سندھی پیر اہل سندھ کا خوب استحصال کر رہے ہیں، وہاں پنجاب کے پیر بھی سندھ میں آ کر لوگوں کی ضعیف الاعتقادی سے خوب خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہم بچپن ہی سے یہ سنا کرتے تھے کہ فلاں پیر صاحب سندھ میں گئے ہیں۔ وہاں جی ان کے بڑے مرید ہیں۔ بات اب سمجھ میں آئی ہے کہ یہ سندھ میں کیا کرنے جاتے ہیں......؟ یقین جانیے! یہ پنجابی پیر سندھی پیروں کی مذہب کے نام پر فراڈی گنگا میں ہاتھ دھونے جاتے ہیں اور خوب خوب دھوتے ہیں۔

چند استحصالی واقعات

یہاں ہم صرف چند واقعات پیش کرتے ہیں جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ سندھ کی بھولی بھالی اور سید کے نام پر مر مٹنے والی عوام کا کس بے دردی سے استحصال کیا جا رہا ہے۔

پیر گیا دبئ:

ستمبر کا خطبہ جمعہ لاڑکانہ شہر کی جامع مسجد اہل حدیث میں پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مجھے بھائی علی محمد صاحب نے بتلایا کہ دبئ میں میرا کاروبار ہے، وہاں میرے بیٹے بھی رہتے ہیں۔ وہاں پنجاب سے تعلق رکھنے والا ایک شخص نور حسین ہے، جسے دبئ والا کہا جاتا ہے۔ وہاں ان صاحب نے ایک بہت بڑی مارکیٹ بنائی ہوئی تھی۔ ہم بھی اسی مارکیٹ کی ایک دکان میں کاروبار کیا کرتے تھے، پھر اس کے ساتھ میرے راہ و رسم بڑھے تو پتا چلا کہ نور حسین نے یہ کروڑوں کی جائداد سندھ سے بنائی ہے۔ اس نے خود بتلایا:

> ''میں غریب آدمی تھا مجھے پتا چلا کہ سندھ میں یہ کاروبار خوب چلتا ہے تو میں پیر بن کر سندھ میں چلا گیا۔ وہاں لوگوں کے گھروں سے جن بھوت نکالتا، لوگوں کے پیٹوں سے سانپ نکالتا۔ غرض پیری کے نام پر میں نے عجیب وغریب کرشمے بنا رکھے تھے اور انہی کی بنیاد پر میں نے یہ ساری جائداد بنائی ہے۔''

حاجی علی محمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ تو نے لوگوں کا اس قدر استحصال کیا، اب تو اللہ سے معافی مانگ لے مگر باوجود اس کے کہ وہ اس فراڈ کا اعتراف کرتا ہے، اسے توبہ کی توفیق نہیں مل سکی۔

چنیوٹی پیر کروڑ پتی کیسے بنا؟:

اسی طرح انھوں نے بتلایا کہ چنیوٹ کا رہنے والا ایک شخص جو یہاں پیر بن کر آیا، اس کی پیری اور تعویذ خوب چلے، میں اسے جانتا تھا۔ اتفاق سے کراچی میں کلفٹن کے قریب میں نے بہت بڑے فلیٹ دیکھے تو پتا چلا کہ یہ فلاں پیر صاحب کے ہیں۔ اس پر میں حیران رہ گیا کہ اس ظالم نے لوگوں کا اس قدر استحصال کیا ہے کہ چند ہی سالوں میں اس نے کروڑوں کے فلیٹ تعمیر کر لیے۔ انھوں نے مزید بتلایا کہ اب یہاں سندھ میں پیر مٹھا بڑا مشہور پیر ہے، یہ بھی پنجاب سے آیا تھا، خوب جائداد بنائی۔ اب اس کا دربار بھی بن چکا

ہے۔ اس کی اولاد اب نیازوں پر پل رہی ہے اور اس کا پوتا نشہ کرتا ہے۔''

سائیں! پنجاب کے سید کی زیارت کرلو......:

لاڑکانہ میں خود میرے محلّہ کا ایک شخص ایک روز دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

''سائیں! پنجاب سے سید آیا ہے، جلدی آؤ! زیارت کرلو!''

میں نے اسے کافی سمجھایا، وہ نہ سمجھا، پھر چند ماہ اپنی پوجا کروانے کے بعد یہ پیر ایک مریدنی کے ساتھ ملوث ہوگیا۔ غرض اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پیری کے نام پر استحصال کہ جسے سندھی پنجابی پیر روا رکھے ہوئے ہیں، اس استحصال کا کوئی نام ہی نہیں لیتا۔ حالانکہ استحصال اسی کا نام ہے جو یہ کر رہے ہیں، باقی تو محض دنگا فساد ہے، جسے شاید یہی لوگ روا رکھے ہوئے ہیں تاکہ اردو، پنجابی اور بلوچی و پٹھان کا نام لے کر لوگوں کی توجہ جھوٹے اور مصنوعی استحصالوں کی طرف مبذول رکھی جائے اور اصل استحصال کی طرف ان کا دھیان ہی نہ جانے پاجائے۔



باب ہفتم

پیر پگاڑا کی گدی پر

انھوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا (ان کی حرام کردہ کو حرام جان کر اور حلال کردہ کو حلال جان کر) اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔

(التوبہ : ۳۱)

پیر پگاڑا کی گدی پر

سکھر شہر میں دریائے سندھ ''بیراج'' کو بائیں طرف کے پل سے عبور کریں تو ایک بڑی نہر کے کنارے کنارے خوبصورت سڑک پیر جو گوٹھ کو جاتی ہے۔ ہم اب اسی سڑک پر رواں دواں تھے۔ یہاں کیلا، کھجور اور آم کے درختوں کی بہتات ہے۔ سکھر سے ہم نے اب ۳۵ کلومیٹر کا سفر طے کر لیا تھا اور سامنے پیر جو گوٹھ تھا، جو پیر پگاڑا کا آبائی گاؤں ہے۔ اب ہم دربار کے اندر چلے گئے۔ رونق کے اعتبار سے قلندر کا دربار اور عمارت کے اعتبار سے سندھ کا یہ دربار سب سے بڑا دربار معلوم ہوا۔ کیوں نہ ہو؟ سندھ کا سب سے معروف پیر بھی پیر آف پگاڑا ہے۔

محل پر سے دیدار یار:

پیر صاحب بہت بڑی جاگیر کے مالک ہیں۔ کراچی میں ان کا بہت بڑا محل ''کنگری ہاؤس'' کے نام سے معروف ہے۔ یہاں پیر جو گوٹھ میں ان کا گھوڑوں کا بہت بڑا فارم ہے۔ یہ گھوڑے ریس کورس میں دوڑتے ہیں، لوگ ان پر جوا لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں بھی پیر صاحب کا محل ہے، وہ بے شمار کمروں پر مشتمل بہت بڑا اور عالی شان ہے۔ ڈش انٹینا اس پر لگا ہوا تھا۔ معلوم ہوا سالانہ عرس پر اس محل کے اوپر کھڑے ہو کے۔

خوب پردہ ہے چلمن سے لگے بیٹھے ہو
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

کے مصداق مریدوں کو اپنا درشن کراتے ہیں۔ جبکہ عام حالات میں دربار کے اندر خوبصورت جگہ بنی ہوئی ہے، وہاں اپنا دیدار کراتے ہیں اور لوگ منتیں مان کر پیر صاحب کے چہرے کی زیارت کرتے ہیں۔

یہاں جو دربار ہے، اس کے گنبد پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ دربار پیر پگاڑا کے جد امجد پیر راشد سائیں کا ہے، جن کے نام کے ساتھ ''روزی ڈاھنی'' لکھا ہوا تھا۔ ''روزی ڈاھنی'' کا مطلب یہ معلوم ہوا کہ وہ پیر جو پیدائشی روزہ دار ہو اور پھر مرتے وقت بھی روزہ ہی کی حالت میں ہو۔ اس وجہ سے اسے سندھی زبان میں ''روزی ڈاھنی'' کہا جاتا ہے۔ سائیں راشد کا دربار سونے کے گنبد تلے ایک اونچی جگہ ہے اور اس کا منہ مسجد کی طرف کھلتا ہے۔ یہاں قبر کے سامنے شیشے لگے ہوئے ہیں، کوئی اندر آجا نہیں سکتا، بس زائر جالی ہی کو چوم چاٹ سکتا ہے اور یہ جو مسجد ہے، تو اس کی چھت اور اس کے ستون لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ لکڑی بیل بوٹوں کی کھدائی کے کام سے مزین ہے۔ کل چالیس ستون ہیں۔

اللہ نے آسمانوں سے ستون بھیجا:

یہاں کا ایک نوجوان حر مرید کہ جس کے سینے پر حر مرید کا کارڈ بھی آویزاں تھا، کہہ رہا تھا: ''یہ جو چالیس ستون ہیں، ان میں فلاں ستون اللہ نے آسمانوں سے بھیجا تھا، پھر اس ماڈل کے مطابق باقی ستون بنائے گئے۔''

اسی طرح درباری مسجد میں ایک ڈرم میں چھوٹے چھوٹے کنکر نما سفید پتھر بہت بڑی تعداد میں پڑے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہیں؟ تو بتلایا گیا کہ پیر صاحب کی کرامت ہے کہ انھیں رگڑا جائے تو آگ پیدا ہوتی ہے'' اور پھر وہ دو پتھروں کو رگڑ کر ہمیں آگ نکال کر دکھلانے لگا۔ اب لوگ آتے ہیں، ان پتھروں پر ورد کرتے ہیں اور انھیں چومتے ہیں۔

قارئین کرام! غور کیجیے! لندن میں ابتدا سے لے کر جوانی تک زندگی بسر کرنے والا، وہیں تعلیم حاصل کرنے والا ''پیر پگاڑا'' ...... جب سندھ میں اپنی گدی پر آتا ہے تو محض اپنی

گدی کو چمکانے کے لیے، سادہ لوح لوگوں کو لوٹنے کے لیے کیا کیا ڈرامہ رچاتا ہے!!! حالانکہ پتھروں کی رگڑ سے آگ کا پیدا ہونا ایک معمولی سی بات ہے، اسے آج دوسری جماعت کا طالب علم بھی اپنی سائنس کی کتاب میں پڑھتا اور جانتا ہے۔

امریکہ، برطانیہ اور جاپان کے اولیاء:

بہرحال اگر انہی چیزوں کا نام کرامت ہے، تو پھر بڑے بڑے ولی پاکستان میں نہیں بلکہ برطانیہ، امریکہ اور جاپان میں ہیں۔ بھائی عبدالناصر اور میں ایک بار جہاز میں سفر کر رہے تھے تو عبدالناصر صاحب کہنے لگے:

''حمزہ صاحب! ہمارے بریلوی بھائی بڑے سادہ ہیں۔'' میں نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' کہنے لگے: ''انھیں پوجنا چاہیے اس ولی کو کہ جس نے یہ جہاز بنایا ہے، کتنی بڑی کرامت ہے اس کی کہ یہ لوہا اڑھائی سو انسانوں کو لے کر ہوا میں اڑ رہا ہے اور داتا ماننا چاہیے ''ایڈیسن'' کو کہ جس نے ریڈیو اور مواصلاتی نظام ایجاد کیا اور غوث اور غیب دان ماننا چاہیے امریکہ کے ان سائنسدانوں کو کہ جن کے مواصلاتی سیارے آج پوری دنیا کی ایک ایک خبر سے واقف ہیں۔'' ...... میں نے کہا: ''یار! آپ کی بات تو ٹھیک ہے، میں ان شاء اللہ آپ کا یہ مشورہ پہنچادوں گا'' ...... سو میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ اے بریلوی بھائیو! اگر تم نے ولیوں کو ان کی کرامتوں ہی کی بنیاد پر پوجنا ہے تو پھر ان ولیوں کو پوجو کہ جن کی کرامتیں زندہ ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لہٰذا اجمیر شریف جانے کی بجائے، بغداد شریف کا رخ کرنے کی بجائے ...... لندن شریف، واشنگٹن شریف اور جاپان شریف کی طرف جایے۔

ہم نے یہ بات اس لیے کی ہے کہ ...... ؏

''شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں توحید کی بات''

پیر کے کنویں کا بئرِ زم زم سے خفیہ رابطہ:

اسی طرح اس دربار کے خادم حر مرید نے یہ بھی بتلایا کہ ''پیر کے محل میں ایک کنواں ہے، اس کا اور آب زم زم کے پانی کا آپس میں زیرزمین رابطہ ہے، تو وہاں سے لوگ زم زم کا پانی پیتے ہیں۔ چنانچہ ایک فقیر جو حج کرنے گیا تو مکہ میں زم زم پیتے ہوئے اس کی تسبیح کنویں میں گر گئی تو وہ تسبیح یہاں پیر جو گوٹھ کے کنویں سے مل گئی کیونکہ دونوں کا زیرزمین باہمی تعلق ہے۔'' تو یہ ہے بیت اللہ کا مقابلہ اور وہاں کے ''شعائر'' (خصوصیات) کا مقابلہ جوان درباروں پر جاری ہے اور پیر پگاڑو جیسے لوگ ایسی بے سروپا کہاوتوں سے اپنی مذہبی اور سیاسی گدیوں کو چمکائے ہوئے ہیں اور مزاج ان کا یہ ہے کہ ڈربی ریس کے لیے گھوڑے دوڑاتے ہیں، لنگور پالتے ہیں اور ایسے جانوروں کا چڑیا گھر بنا کر اپنا دل بہلاتے ہیں۔ لوگوں کو جانتے اور سمجھتے ہوئے شرک و بدعت اور ضعیف الاعتقادی، توہماتی اور طلسماتی دنیا کا اسیر بنائے ہوئے اپنے آپ کو پجوا رہے ہیں اور یوں سندھی عوام اور غریب ہاریوں کا خوب استحصال کر رہے ہیں۔

ایک بھائی شاہراہِ توحید پر دوسرا شاہراہِ شرک پر

سائیں راشد کی اولاد سے سندھ کا سب سے بڑا مذہبی اور سیاسی پیر اگر پیر آف پگاڑو ہے تو سائیں راشد ہی کی اولاد سے سندھ کا سب سے بڑا عالم، محدث اور خطیب سید بدیع الدین شاہ راشدی پیر آف جھنڈو ہے۔

سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کہ جنھوں نے سندھی زبان میں توحید خالص اور دیگر بہت سی کتب لکھیں۔ انھوں نے سندھی میں قرآن کی تفسیر بھی لکھی کہ جس کی چند جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ انھوں نے سندھ کی درباری تاریکی میں کتاب وسنت کے نور کو پھیلانے کے لیے دن رات ایک کیے رکھا۔ شیخ عبداللہ ناصر رحمانی آف کراچی اس راہ میں ان کے ساتھی بنے اور سندھ میں توحید وسنت کا کام جاری ہوا۔

حضرت شاہ صاحب سعید آباد میں صوبائی کی سطح پر ہر سال بہت بڑی کانفرنس منعقد کرتے۔ پنجاب سے علماء کی ایک تعداد ہر سال اس کانفرنس میں شرکت کرتی۔ چار پانچ سال راقم متواتر شاہ صاحب کی شفقت سے اس کانفرنس میں شرکت کرتا رہا۔ ایک بار اس کانفرنس کے موقع پر اکٹھے بیٹھے تھے تو میں نے شاہ صاحب سے پوچھا:

''آپ نے کبھی پیر پگاڑو کو بھی دعوت دی ہے؟''

شاہ صاحب نے کہا:

''پورے سندھ میں دعوت دی جا رہی ہے تو پیر پگاڑو کیسے محروم رہ سکتا ہے......؟ کئی دفعہ اسے سمجھایا ہے، ایک بار انتخابی جلسہ تھا، بہت بڑا جلسہ تھا، پیر پگاڑو نے مجھے بھی بلا بھیجا۔ ان کے اصرار پر میں چلا گیا اور تقریر کا وقت دیا گیا تو میں نے اللہ کا خالص دین بیان کیا، توحید کھل کر بیان کی، شرک اور بدعات کا رد کیا اور پیروں کی بھی خوب خبر لی، تو اس کے حر بڑے سٹپٹائے مگر وہ کیا کر سکتے تھے؟ پیر پگاڑو صاحب مسکراتے رہے مگر اس کے بعد انھوں نے مجھے کبھی کسی جلسہ میں بلانے کی دوبارہ ہمت نہیں کی۔''

تو یہ ہیں پیر راشد کے دو نمایاں بیٹے کہ جن میں سے ایک دعوت دیتا ہے اپنی خانقاہ اور گدی کی جانب کہ جس میں ایک انسان مر کر دفن ہے اور دوسرا وہ عظیم انسان ہے کہ جو قرآن کے مطابق اپنے رب کی طرف دعوت دیتا ہے۔

لوگو!......اب یہ دو دعوتیں ہیں، ایک دنیا اور آخرت کے استحصال کی دعوت اور دوسری وہ دعوت کہ جو سینکڑوں زندہ اور مردہ مصنوعی خداؤں کی ناپاک غلامی سے چھڑا کر ایک اللہ کا بندہ بناتی ہے۔ انسان کو خود دار اور موحد بناتی ہے اور آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں کی ابدی بہاروں کی مہمان بناتی ہے۔ اب دونوں میں سے جو آپ کو اچھی لگے اسے اختیار کر لیجیے مگر یاد رکھیے! اچھی دعوت بہر حال وہی ہو گی جو اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی سے ثابت ہو گی اور یہ یقینی بات ہے کہ اچھی دعوت وہی ہے جو اللہ کی طرف بلاتی ہو، توحید کا

درس دیتی ہو نہ کہ خانقاہوں پر سرخم کرنے کا۔ سائیں راشد کے ایک فرزند کی زندگی کس کام کے لیے وقف تھی اور وہ کیا کرتے تھے؟ یہ تو آپ نے مختصر سے تذکرہ میں ابھی ابھی پڑھا کہ وہ توحید کی دعوت دیتے تھے، قرآن کی تفسیر لکھتے تھے، احادیث پڑھتے پڑھاتے اور انھیں دنیا میں شائع کر کے پھیلاتے تھے لیکن سائیں راشد کے دوسرے بیٹے پیر آف پگاڑو کا کیا کردار ہے؟ ان کی کیا مصروفیات اور سرگرمیاں ہیں؟ اس کا ہم یہاں مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

پیر پگاڑا سے جہاز میں ایک ملاقات:

لیجیے! قارئین کرام! میرے دماغ اور ذہن کے پردہ سکرین پر وہ منظر تیزی سے حرکت کر رہا جب ایک دفعہ لاہور سے اسلام آباد جاتے ہوئے مجھے پیر پگاڑا صاحب سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ میرا اسلام آباد جانا ضروری تھا، پورے جہاز میں صرف ایک ہی سیٹ خالی تھی اور وہ خالی سیٹ بھی پیر پگاڑا کی نشست سے متصل تھی۔ میں جب سیٹ پر بیٹھا تو پیر پگاڑا کو اپنے پاس پا کر ان سے سلام دعا کے بعد گفتگو کی۔ پیر صاحب نے بھی کہا کہ اسلام آباد تک گفتگو کیجیے۔

دوران گفتگو میں نے ان سے کہا کہ پیر صاحب آپ کو پتا ہے کہ انڈیا آج کل بہت بڑی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے، مجاہدین کشمیر میں جہاد کر کے انڈیا کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں اور اب اس جہاد نے انڈیا کو معاشی، سیاسی اور دفاعی ہر لحاظ سے اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ بیرونی دنیا کے پریس کے علاوہ ہندوستان کا میڈیا چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اگر کچھ دیر اور یہی حالات رہے تو انڈیا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ تو...... آپ کشمیر کے جہاد کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں؟...... پیر صاحب نے جواب دیا:

''سب جہادی تنظیمیں اور خاص طور پر جماعت اسلامی سب کھانے پینے، دولت اور فنڈز کے حصول کے لیے لگی ہوئی ہیں اور یہ سب کھانے پینے کا چکر ہے اور

کچھ نہیں۔''

اور پھر پیر صاحب نے وہ جملہ کہا جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ کہنے لگے:

''انڈیا کو چھوڑیں پاکستان کی فکر کریں کہ وہ بچتا ہے کہ نہیں۔''

قارئین کرام! یہ تو تھا پیر صاحب کی جاگیردارانہ، غلامانہ اور صوفیانہ سوچ پر مبنی جواب ...... اب میرے ذہن میں ایک اور منظر بھی کچھ اس طرح گھوم رہا ہے...... یہ لاہور میں ریس کورس کلب کا میدان ہے۔ گھوڑوں کی ریس شروع ہونے والی ہے، شرطیں لگ رہی ہیں...... اور ہم یہاں پیر پگاڑا سے ملنے آئے ہیں لیکن ان کی جگہ ان کا بیٹا علی گوہر ان کے نائب کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتا نظر آتا ہے۔ ان سے بھی گفتگو ہوئی۔ اسی طرح کے ایک استفسار پر انھوں نے جو جواب دیا اس سے اندازہ لگائیں کہ ان پیران باصفا کی پاکستان کے ساتھ کس قدر ہمدردیاں ہیں۔ پیر پگاڑا کا بیٹا علی گوہر ہمیں جواب دیتے ہوئے کہنے لگا:

''ہمیں کیا پروا، جب پاکستان نہ تھا تو ہماری درگاہ قائم تھی اور ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر پاکستان قائم نہ بھی رہے تو ہماری درگاہ تو پھر بھی قائم ہی رہے گی۔''

قارئین کرام! یہ ہے ان پیران پاک باز کی سوچ کی پرواز۔ اب ان سے کشمیر کے جہاد کے متعلق یا کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں صرف بیان کی حد تک بھی ہمدردی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ وہ تو اپنی گدی کے ہوتے ہوئے پاکستان کے وجود کے برقرار رہنے یا نہ رہنے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ شاید اس لیے کہ جس طرح انھوں نے ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد قیام پاکستان تک انگریزوں سے مل کر سندھ کی بھولی عوام کا استحصال کیا، مستقبل میں بھی کرتے رہیں گے، حکومت کوئی بھی آئے، پاکستان پر قابض کوئی بھی ہو انھیں اس سے کیا۔

حکومت میرے علاقہ میں وہابیت پھیلانا چاہتی ہے!!:

اس استحصال سے عوام کو بچانے کی سب سے بہترین تدبیر صرف یہ ہو سکتی ہے کہ سندھی عوام میں جمہوریت نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے آگاہی کا صحیح شعور پیدا کیا جائے...... لیکن

پیر صاحب اس شعور سے بہت خائف ہیں کہ اگر لوگوں کو قرآن وحدیث کی خالص تعلیمات کا پتا چل گیا تو پھر میرا مرید کوئی نہیں رہے گا...... اسی لیے جب حکومت ان کے علاقے میں کسی قسم کے ترقیاتی و تعلیمی منصوبے شروع کرنا چاہتی ہے تو وہ حکومت پر برسنے لگتے ہیں کہ:

''وہ علم وآگہی کا شعور پھیلا کر میرے علاقے میں وہابیت پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔''

محترم صحافی اجمل نیازی صاحب نے سندھ میں ان کے علاقوں میں حکومت کے تعاون کے متعلق دریافت کیا کہ آیا حکومت ترقیاتی کاموں کے لیے ان سے تعاون کرتی ہے کہ نہیں تو پیر صاحب نے جواب دیا:

''ہاں بابا! مگر ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہاں وہابیت پھیلائی جائے کہ میرے مریدوں کی ڈائریکٹ ڈائیلنگ اللہ سے شروع ہو جائے۔''

(روزنامہ پاکستان: ۱۲ جون ۱۹۹۵ء)

قارئین کرام! آپ غور کریں بھلا حکومت کو کیا پڑی کہ وہ خود وہابیت پھیلائے، وہ تو وہابیت سے ڈرتی ہے، کیونکہ وہابی کا مطلب ہی ہر باطل اور طاغوت کا انکار کرنے والا اور اس سے ٹکرا جانے والا ہے۔

کشمیر، صوفی اور گانے والیاں:

تو قارئین کرام! اسی انٹرویو میں پگاڑا صاحب مزید فرماتے ہیں:

''بابا کسی نے کشمیر کو اون (ON) ہی نہیں کیا۔ ہم تو صرف ٹرسٹی ہیں اور خیانت کرتے رہتے ہیں، ہمیں کشمیر کے لیے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟...... ویسے صوفیوں کو ہمیشہ (حکومت میں عہدوں وغیرہ سے) پیچھے رکھا گیا، وہ تو باغی رہے، مولویوں کو آگے کیا۔ مولوی ضرورت سے زیادہ سستے ہو گئے ہیں۔ دین صوفیوں نے پھیلایا، مولوی کبھی صوفی کی دستار بندی نہیں کراتا...... فارغ وقت میں ٹی وی دیکھتا ہوں...... میوزک سنتا ہوں...... ہمارے ہاں جو گانے والیاں ہیں ان کے

سامنے بیٹھ کے سننا چاہیے، ٹی وی ریڈیو پر نہیں۔''

ہمیں اپنے مرنے کے متعلق سوچنے کی کیا ضرورت ہے!!:

قارئین کرام! خانقاہی نظام میں کس قدر مزے ہیں، رنگینیاں ہیں، کس قدر عیاشی ہے؟ اس کا عام آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ان عیاشیوں میں پڑ کر خانقاہوں کے گدی نشین اور خلیفے موت کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ اسی انٹرویو میں یہی حقیقت پیر صاحب کے الفاظ میں یوں ہے:

''جیسی زندگی ہے، ویسی موت ہے اس لحاظ سے زیادہ زور نہیں دیا دماغ پر۔ ایک کتاب انگلینڈ سے لایا تھا۔ پہلا صفحہ کھولا تو لکھا تھا کہ ہر آدمی کو اس سے پتا چلے گا کہ اس نے کب مرنا ہے؟...... کہاں مرنا ہے؟...... میں نے کتاب پھینک دی۔ ہمیں کیا ضرورت ہے اس طرح سوچنے کی؟ ابھی تو ہم جوان ہیں......''

قارئین کرام! پیر صاحب کی سوچ ملاحظہ فرمائیے! انھوں نے کتاب اس لیے نہیں پھینکی کہ اس کے دعوے غیر شرعی ہیں بلکہ یہ سوچ کر پھینکی کہ ہمیں موت کے بارے میں سوچتے اور ڈرتے رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارا کام دنیا کے مزے اڑانا ہے ابھی تو ہم جوان ہیں۔

پیر پگاڑا کے مشاغل اور شب و روز:

شاہ مردان شاہ ثانی پیر پگاڑا ہفتم کا سب سے محبوب ترین مشغلہ گھڑ دوڑ (ڈربی ریس) کرانا اور شکار کرنا ہے۔ گھڑ دوڑ ان کی زندگی کا لازمہ ہے، بلکہ پیر صاحب پہچانے ہی اسی حوالے سے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی شرطیں لگا کر اس گھڑ دوڑ کا اہتمام کرتے ہیں۔

ایک دفعہ جب ان کی بارگاہ میں جان کی امان پا کر کسی نے پوچھا کہ جناب یہ گھوڑوں کی ریس کرانا تو غلط سمجھا جاتا ہے، آپ اس کا اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ پیر پگاڑا نے جواب دیا: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ریس دیکھی بھی تھی اور کروائی بھی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی گھوڑوں پر شرطیں لگیں، لوگ اسے کیسے برا کہتے ہیں۔'' یقیناً اس سادہ سے مسلمان کو یہ

سن کر سخت حیرت ہوئی ہوگی کیونکہ اسوۂ رسول ﷺ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہ اللہ وغیرہ میں تو اس کی کہیں مثال بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

پیر پگاڑا کے دیگر مشاغل میں فوٹو گرافی بھی شامل ہے، سگار پینے کے معاملے میں تو اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کو اچھا تحفہ دینے کی تلقین کی تھی اور بتایا تھا کہ ''اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔'' پیر پگاڑا اپنے دوستوں کو سگاروں کا تحفہ دے کر یہ کام کرتے ہیں۔ سگار کے مسلسل پینے سے انھیں خطرناک کھانسی بھی لاحق ہو چکی ہے، جس سے وہ نڈھال ہو جاتے ہیں۔ جہاز میں جب وہ میرے ساتھ بیٹھے تھے تو تب بھی بار بار کھانس رہے تھے۔ تاہم وہ اپنی دھن کے پکے ہیں، جس طرح شاہ احمد نورانی رنگا رنگ قسم کے پان کھانے اور تمباکو کو ہضم کرنے میں پکے تھے۔

پیر صاحب دن میں اوسطاً ۳۰ کپ کافی پی جاتے ہیں۔ دن رات کے اکثر اوقات میں جدید ترین موسیقی سے دل بہلاتے ہیں۔ مارکیٹ میں آنے والی تازہ ترین انگلش و انڈین کیسٹیں اور نئے سے نیا موسیقی کا الیکٹرانک سامان ان کے ڈرائنگ روم میں سب سے پہلے موجود ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ رخ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جب ۱۹۹۰ء میں آئی جے آئی کی حکومت واضح مینڈیٹ کے ساتھ پھر برسر اقتدار آ گئی اور سینٹ میں شریعت بل جب دوبارہ پیش ہونے لگا تو ان کا جلال دیکھنے والا تھا۔ صاف فرما دیا:

> ''شریعت بل چند بھٹکے ہوئے مولوی پیش کر رہے ہیں، اس بل کی آمد سے جو پریشانی ہوگی، اس کا اندازہ مولوی نہیں لگا سکتے۔ شریعت بل نے منظور نہیں ہونا۔'' (جنگ: ۳ جنوری ۱۹۹۰ء)

شریعت بل اور وہابی ازم:

پیر پگاڑا چونکہ صاحب کشف و بصیرت بھی ہیں اس لیے انھوں نے نہ صرف یہ اندازہ لگا

لیا کہ شریعت بل کی آمد پر بہت پریشانی ہوگی بلکہ یہ بھی منکشف کر دیا کہ اسے منظور نہیں ہونا۔ اسی بیان میں فرمایا:

""شریعت بل کے اصل خالق کی نیت ملک میں ""خلافت"" کا نظام رائج کرنے کی تھی اور یہ کہ شریعت کا مقصد وہابی ازم کو لانا ہے۔""

کوئی بھی شخص پیر پگاڑا کی اس صاف گوئی بلکہ کشف و بصیرت کا یہ انداز دیکھ کر انھیں داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دیکھیے انھیں بڑے بڑے پیروں اور مولویوں سے بڑھ کر یہ علم ہے کہ اس ملک میں جب بھی شریعت کا نام لیا گیا یا اسے نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو بالآخر یہاں کتاب و سنت کی حکمرانی ہوگی اور صوفی ازم باقی نہیں رہ سکے گا۔

پنجاب اور سندھ کے درمیان ""بفرزون"" یعنی سرائیکی علاقے کے دربار

سندھ اور پنجاب کے درمیانی علاقہ کو سرائیکی علاقہ کہا جاتا ہے۔ سندھ میں بحیثیت مجموعی سیم و تھور اور شور بہت زیادہ ہے۔ پنجاب اپنی شادابی کے اعتبار سے معروف ہے۔ جبکہ سرائیکی علاقہ میں ریگستان بھی ہیں، شادابی بھی ہے اور سیم و تھور بھی ہے۔ اسی طرح سرائیکی زبان سندھی سے ملتی جلتی ہے۔ رحیم یار خاں ایک ایسا شہر ہے جو سندھ اور پنجاب کے وسط میں ہے۔

حلالی اور حرامی بچوں کی پہچان کا سائنٹفک طریقہ:

یہاں ہمارے نوجوان ساتھی شکیل صاحب ہیں، جو درباروں کی خرافات سے خوب آگاہ ہیں۔ مجھے بتلانے لگے کہ ""یہاں قریب ہی ایک دربار ہے، وہاں ایک تنگ سی جگہ بنائی ہوئی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جو وہاں سے گزر جائے وہ حلال کا اور جو پھنس جائے وہ حرام کا ہے۔""
یعنی انسانوں کے حلالی اور حرامی ہونے کی ایک کسوٹی ہے، جو اہل دربار نے بنائی ہے۔

دکان چلانے کے لیے آخر کوئی تو منفرد کام ہونا چاہیے، سو اس دربار والوں نے اپنے بابا کی یہ کرامت گھڑلی ہے۔ ہمارا سرائیکی علاقے کا سفر جاری ہے۔ دیکھنے کو تو ہم نے ''کوٹ مٹھن'' بھی دیکھا کہ جہاں بابا فرید کا دربار ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر ''چاچڑ'' نامی قصبے میں بھی ایک بڑا دربار ہے۔ ایک منچلے گستاخ نے انہی دو درباروں کے بارے میں کہا ہے:

''چاچڑ وانگ مدینہ دسے تے کوٹ مٹھن بیت اللہ''
ظاہر دے وچ بابا فریدن تے باطن دے وچ اللہ

(نعوذ باللہ من ذلک)

قوالی سنوں گا تو بھوک لگے گی، خواجہ اجمیری:

اسی طرح ڈیرہ غازی خاں کے قریب لکھ داتا سخی سرور کا دربار ہے۔ ہم جب عشاء کے قریب یہاں پہنچے تو دربار کو تالا لگ چکا تھا۔ البتہ یہاں حضرت صاحب کہ جن کا ہندو یا مسلمان ہونا مؤرخین کے درمیان متنازعہ ہے، کی سوانح کے بارے میں ایک پمفلٹ ملا جس میں لکھا ہوا ہے:

''ایک بار سخی سرور، سید عبدالقادر جیلانی اور معین الدین اجمیری بغداد میں اکٹھے ہوئے۔ خواجہ اجمیری نے کہا کہ جب تک قوالی نہ سنیں گے ہمیں بھوک نہ لگے گی۔'' چنانچہ قوالی شروع ہوگئی اور غوث الاعظم دروازے پر دربان بن گئے۔ سخی سرور صاحب آئے تو انھوں نے اس پر برا منایا تب خواجہ صاحب نے فرمایا اور یہ کلام (شعر) اس وقت سرور سے با آواز بلند نکلا ؎

ہماری بت پرستی در حقیقت حق پرستی ہے
جو بخشی ہے رسول اللہ نے، مدینہ جس بستی ہے

اور خواجہ صاحب نے فرمایا:

''قیامت تک آپ کے مزار پر راگ رنگ اور ڈھول بجتا رہے گا۔''

قارئین کرام! غور کیجیے! یہ درباری اور خانقاہی مذہب کس قدر اللہ کے رسول ﷺ کی

گستاخیاں کرتا ہے اور چور مچائے شور کی طرح گستاخ کتاب وسنت کے حاملین کو قرار دے ڈالتا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اس قوالی اور راگ رنگ کو منسوب کر دیا گیا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی جانب، پاک باز امام الانبیاء کی طرف، وہ پیغمبر کہ جس نے واضح طور پر فرما دیا:

''جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''

(بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ : ۱۰۷)

اب یہ کس قدر اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ اور بہتان ہے اور پھر بت پرستی کا اعتراف کر کے اسے حق پرستی کہا جا رہا ہے اور اس غلاظت کو منسوب کیا جا رہا ہے ...... اس قاطع شرک وخرافات نبی ﷺ کی جانب کہ جنھوں نے بیت اللہ میں رکھے ہوئے بتوں یعنی ولیوں کی پتھری مورتیوں کو خود توڑا تھا۔ بہر حال عشاء کے وقت بھی ہم دیکھ اور سن رہے تھے کہ دربار کے نیچے ڈھول کی تھاپ پر راگ رنگ متواتر جاری تھا اور میلے کے موقع پر اس راگ رنگ کے وہ مخلوط مناظر ہوتے ہیں کہ اللہ کی پناہ......تو یہ ہے خواجہ صاحب کا ''کرامتی بول'' جو اس مزار پر جاری ہے۔

اچ شہر (چھوٹا ملتان):

''پنج ند'' کہ جہاں پنجاب سے گزرنے والے پانچ دریا ستلج، بیاس، راوی، چناب اور جہلم اکٹھے ہوئے ہیں، اس کے قریب اچ شہر آباد ہے۔ اس کا نام بھی اچ ہے اور ویسے بھی اونچی جگہ آباد ہے، تصوف کی درباری دنیا میں بھی یہ بہت اونچے مقام کا حامل ہے۔ بعض لوگ اسے ملتان سے بھی اونچا گردانتے ہیں۔ ''اچ'' بڑا قدیم شہر ہے۔ یہ کھنڈرات اور آثار قدیمہ کا ایک مرکز بھی ہے، یوں سمجھیے بلندی پر سارا شہر ہی قبرستان ہے، حتیٰ کہ گھروں میں بھی پرانی قبریں موجود ہیں۔ ہر گلی، ہر نکڑ پر قبریں ہی قبریں، مزار ہی مزار ہیں۔ مکلی کی طرح مشہور یہ ہے کہ اچ سوا لاکھ ولیوں کا مسکن ہے۔ تو آیئے! اب ان ولیوں سے ملتے ہیں اور ان سے ملانے کے لیے یہاں کا تقریباً ہر نوجوان بطور گائیڈ مل جاتا ہے۔ وہ ہر ولی کی کرامتیں اور

اس کا سیاق وسباق سناتا ہے اور آخر میں زائر سے راہ نمائی کے دام وصول کر لیتا ہے۔

جب دیواریں بھاگنے لگیں!!:

ہمیں بھی ایک عدد گائیڈ کی ضرورت تھی، سو وہ ہمیں مل گیا۔ پہلا دربار جو ہمیں دکھلایا گیا، یہ حضرت شیر شاہ سید جلال الدین حیدر سرخ پوش کا ہے، اس دربار کے اندر سامنے والی دیوار جو اب خستہ ہو چکی ہے، اس کے متعلق بتلایا گیا کہ اس دیوار پر ''مخدوم جہانیاں جہان گشت'' نے سواری کر کے پوری دنیا میں گشت اور تبلیغ کی۔ اسی طرح ایک دیوار پر جلال الدین سرخ پوش بیٹھے اور دلی سے اچ آ گئے۔

۳۶ من وزنی پتھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقش قدم:

اس دربار کے دائیں جانب ایک چھوٹا سا کمرا تھا۔ اس میں داخل ہوئے تو ایک بہت بڑا چٹو نما ملائم پتھر پڑا دیکھا۔ بتلایا گیا کہ اس کا وزن ۳۶ من ہے۔ اس کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں کا نشان تھا اور یہ پاؤں پتھر کے اندر دو تین فٹ اندر تک گھسا ہوا ہے، یعنی جیسے کسی کا پاؤں کیچڑ میں دھنس جائے۔ میں نے اس حجرے کے مجاور سے پوچھا کہ ''بھئی! یہ اس قدر بھاری پتھر یہاں کیسے آ گیا؟'' کہنے لگا: ''اسے حضرت جلال الدین سرخ پوش اپنی گدڑی میں باندھ کر مکہ سے لائے تھے۔ پھر ایک جگہ دکھلائی جہاں چار ولیوں نے اکٹھے چلہ کاٹا تھا۔ یہ ولی بہاؤ الدین زکریا، شہباز قلندر، فرید الدین گنج شکر اور جلال الدین شیر شاہ تھے۔ اس طرح ایک دربار پر گدی نشین کا نام اس طرح لکھا ہوا تھا ''سگ دربار، مخدوم، طالب نظر عنایت، مرید حسین کلاب'' یعنی ولی صاحب کی عنایت کا طالب، اس دربار کا کتا جس کا نام مرید حسین اور لقب کلاب یعنی ''کتے'' ہے۔

سید قاتل شاہ کی کراماتِ جلالیہ:

غرض بے شمار دربار اور اس طرح کی کہاوتیں سنتے ہوئے ہم ایک اور بڑے دربار پر پہنچے۔ یہ صدر الدین راجن قتال کا دربار تھا۔ یہ اتنا بڑا دربار تھا کہ اس کے اندر کم از کم ۸۰

ولیوں کی قبریں تھیں۔ کہتے ہیں:

"یہ بزرگ بڑے جلال والے تھے، جسے بھی یہ دین کی دعوت دیتے وہ کلمہ پڑھ لیتا، اگر کوئی نہ پڑھتا تو وہ قتل ہوجاتا، اندھا ہوجاتا، یا مرجاتا، اس لیے اس بزرگ کو قتال کہا جاتا ہے"۔

میں نے کہا: "تب قتال تو نہ ہوا، قاتل ہوا۔"

خراسان کی شہزادی:

اس کے بعد ایک اور بڑا دربار دیکھا۔ عورتوں کا یہاں ہجوم تھا اور عبادت گزاری کے مناظر تھے، ہم یہاں سے نکلے اور شہر کے کونے پر آ گئے۔ یہاں دو انتہائی بڑے بڑے گنبد نما مزار آدھے گرے ہوئے تھے اور جو آدھے بچے تھے ان میں بھی دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ ایک بی بی جوندی کا مزار ہے، یہ خراسان کی شہزادی تھی۔ یہ بھی ایک بہت بڑی ولیہ عورت تھی۔

دریا ولیوں کو بہا کر لے گیا:

اچ کے کنارے کبھی دریا بہتا تھا۔ وہ دریا اس ولی عورت اور دیگر ولیوں کے درباروں کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اور جو دو دربار باقی بچے ہیں تو وہ نصف دریا برد ہو کر اور دراڑیں لیے ہوئے عبرت کا سامان ہیں اور زبان حال سے لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ جنھیں مدد کے لیے تم پکارتے ہو، ان کی تو اپنی ہی لاشیں دریا کھا گیا اور اب ٹوٹی پھوٹی اینٹیں عبرت کا سامان ہیں مگر لوگ ہیں کہ جو یہاں آتے ہیں، آہ وفغاں کرتے ہیں اور فریادیں کرنے سے باز نہیں آتے۔

غرض یہ وہی اچ شہر ہے کہ جس کے ولیوں کے بارے میں شعر مشہور ہے ؎

تو اچا تیری ذات اچی
تسی وچ اچ دے رہندے او

اس شہر کے درباروں کا ماحول بڑا طلسماتی سا ہے۔ عجیب وغریب من گھڑت کہاوتیں

ہیں، جن کی بنیاد پر لوگ خوب اپنا استحصال کروانے یہاں آتے ہیں۔ اب آخر پر جو ہمارا گائیڈ تھا، اس کے داموں کا مسئلہ تھا۔ میں نے اسے کہا: ''شہر سے ذرا باہر نکل کر دیں گے۔'' یہ نوجوان میٹرک پاس تھا، انتہائی غریب تھا، میں نے اسے توحید کی دعوت دی، ان ولیوں کی بے بسی کے بارے میں آگاہ کیا اور گدی نشینوں کی کرتوتوں کے بارے میں بتایا تو وہ پھٹ پڑا اور پھر اس نے یہاں ہونے والی خرافات کے بارے میں مجھے بتلایا تو ہم حیران رہ گئے کہ تقدس کے پردے میں یہ دربار کس قدر فحاشی اور بے شرمی کے اڈے ہیں!!......اور ان کی اکثریت جاگیردار پیروں کی گدیوں تلے اپنا کاروبار جاری کیے ہوئے ہے۔ اس شہر کی بلدیہ کا جو چیئرمین بھی گدی نشین ہے۔ اس کی کوٹھی ہم نے دیکھی۔ اس گدی نشین کے بھاری بھرکم جسم کے چہرے سے ڈاڑھی غائب تھی، کوٹھی میں کاریں کھڑی تھیں، اندازہ لگائیں کہ بلدیہ اور ضلع کونسلوں کی چیئرمین شپ سے لے کر وزارتوں اور گورنریوں تک قبضہ ہے، تو ان جاگیردار پیروں کا۔

سندھی مظلوم عوام کا استحصال کیسے رک سکتا ہے؟

تو ہم نے اس سرائیکی علاقے میں جو مختلف دربار دیکھے، ان درباروں کے جو گدی نشین ہیں، یہ بھی سادہ لوح سرائیکیوں کا استحصال کرنے میں کسی سے کم نہیں۔ بہر حال وہ غریب گائیڈ کہ جس نے دعوت توحید کو قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا، ہم نے اسے توحید کے موضوع پر ایک کتاب دی۔ اپنا ایڈریس بھی دیا......تعاون بھی کیا۔ وہ ڈرا ہوا اور اس قدر خوف زدہ تھا کہ حقائق بتلاتا تھا اور ارد گرد بھی دیکھتا جاتا تھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ تو یہ ہے وہ مخلوق! جو مذہبی، سیاسی اور اقتصادی شکنجوں میں جکڑی ہوئی ہے اور یہ جکڑ بندیاں ان جاگیردار پیروں کی ہیں کہ جن کی خدائی کے سامنے یہ بے چارے بے بس ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ پاکستان کے یہ لوگ ابھی تک غلام ہیں، ان کی غلامی کے دن اور ان کے استحصال کی گھڑیاں اسی دن ختم ہوں گی جس دن ان جاگیردار پیروں کی گدیوں کا خاتمہ ہوگا،

ان کی ناجائز زمینیں غریب مزارعوں اور مسکین ہاریوں میں تقسیم کی جائیں گی، تب جب یہ غلام آزاد ہوں گے پھر ان کے سامنے وہ دین پیش کیا جائے گا کہ جو دین اللہ کے رسول ﷺ لے کر آئے تھے اور وہ دین کتاب وسنت کی صورت میں محفوظ و مامون ہے، یہ لوگ اس دین کو اپنا کر خود دار بنیں گے، صرف اپنے پیدا کرنے والے کے بندے بنیں گے......تاہم اس راہ میں ہماری جد و جہد ان شاء اللہ جاری رہے گی۔ ہم ان کی کرتوتوں سے اور ان کے دنیاوی اور دینی استحصال سے اللہ کے بندوں کو باخبر کرتے رہیں گے اور یہ نبوی فریضہ سر انجام دیتے رہیں گے۔ تاوقتیکہ...... لوگ پیروں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں، درباروں کی طرف رخ کرنے کی بجائے کعبہ کی طرف اپنا رخ کریں اور کشف المحجوب، اخبار الاخیار، ملفوظات اور تذکرۃ اولیاء جیسی بے سر و پا اور غلام ذہن بنانے والی، بندوں کی لکھی کتابوں کی بجائے رب کی کتاب قرآن پڑھیں، اس کے نبی ﷺ کی کتاب بخاری، مسلم اور دیگر کتب احادیث کا مطالعہ کریں۔

اے فرزندان توحید! آیئے! یہ جو کام ہے کرنے والا...... اسے کریں اور لوگوں کو دہکتے ہوئے انگاروں سے نکال کر توحید کی شاہراہ پر چلائیں...... جنت کی ابدی بہاروں میں داخل کریں...... آیئے! کہ یہ وہ کام ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے۔



باب ہشتم

یہ قبے مزار اور جاگیریں

اے اللہ! میری قبر کو عبادت گاہ (دربار) نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا اس قوم پر جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ (مزار) بنالیا۔ (موطا امام مالك)

یہ قبے، مزار اور جاگیریں
پیروں کی کن وفاداریوں کا صلہ ہیں؟

قارئین کرام! آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے مجلۃ الدعوۃ میں اپنے کالم ''اخبار و آراء'' میں طاہر القادری صاحب کے پیر اور غوث علاؤالدین پر اس وقت قلم اٹھایا تھا جب قادری صاحب کے غوث پر لینٹر گر گیا تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ جو اپنے اوپر گرتے ہوئے لینٹر کو نہ تھام سکے، وہ بھلا لوگوں پر گرنے والی مصیبتوں کو کیونکر روک سکے گا؟ اس پر جناب ڈاکٹر صاحب کے ماہنامہ ''منہاج القرآن'' (اپریل ۹۳ء) نے اور گوجرانوالہ سے بریلوی مکتبہ فکر کے رسالہ ''رضائے مصطفیٰ'' نے اپنا غصہ خوب نکالا، راقم کو گالیوں سے نوازا اور حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کو بھی موضوع بحث بنایا۔

گالیوں کا تو خیر ہم برا نہیں مناتے بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ توحید کی خاطر ہمارے پیارے رسول ﷺ کو بھی گالیاں دی جاتی رہیں اور اب جب میرے ان کرم فرماؤں کو پتا چلے گا کہ ہم تو گالیوں سے خوش ہوتے ہیں تو ان شاء اللہ یہ بھی گالیاں دینے سے اسی طرح باز آجائیں گے جس طرح انگریز اہل حدیث کو پھانسیاں دینے سے باز آگیا تھا...... ذرا تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیے انگریز شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے ساتھیوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکاتا تھا اور یہ ہنستے ہوئے پھانسیاں قبول کرتے تھے۔ جب اسے پتا چلا کہ مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی شہادت کی طلب میں پھانسیوں سے بڑے خوش ہیں تو

تب انگریز نے مجاہدین کے لیے ''کالے پانی'' کی سزا تجویز کی اور پھانسیاں منسوخ کر دیں۔ یہ کہہ کر کہ ہم ان لوگوں کو وہ سزا کیوں دیں جس سے یہ خوش ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی شہادت پر طاہر القادری کے رسالہ کا طعنہ:

حقیقت تو یہ ہے کہ مردہ اجسام کی خاکی ڈھیریوں پر اپنی مسندیں سجا کر، سجادہ نشین کہلوا کر، حلوے اور کھیریں اڑانے والے خانقاہی کرگس اس منظر کا ادراک نہیں کر سکتے تھے جو جہاد اور معرکہ آرائی کا منظر ہے۔ یہ اس مزے اور لطف کو کیا جانیں کہ جو شہادت کا مزہ اور لطف و سرور ہے۔ تبھی تو قادری صاحب کے اس رسالے میں ہمیں طعنہ دیا گیا...... یہ کہہ کر:

> ''یادش بخیر جناب ''علامہ'' صاحب اور دیگر اکابرین جن کی سنت کو موصوف مدیر صاحب اپنائے ہوئے ہیں، کا جو حشر ہوا، اس سے ملت اسلامیہ پاکستان کا کونسا شخص واقف نہیں ہے؟ ہم اس کی تفصیل میں جانا وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں، بس یہی کہیں گے کہ کوئی بھی ذی شعور اور فہم رسا رکھنے والا شخص اسے عزت کی موت قرار نہیں دے سکتا۔ اس لیے اپنے اکابرین کے اس حشر کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایے کہ کیا فتویٰ صادر کریں گے۔'' (منہاج القرآن، اپریل ۹۳ء)

جناب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب! ہمارے علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ صاحب تو ایک نامکمل جہادی مصرعہ...... ع

''مومن ہے تو بے تیغ بھی''............

کہتے ہوئے شہادت کی موت پا گئے اور ''مدینہ منورہ'' میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے پہلو میں جا کر مدفون ہوئے اور اس مدفن کو دیکھنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی موقع عطا فرمایا۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمان یزدانی اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرتے ہوئے بم دھماکے کی نذر ہو کر شہید ہو گئے۔ (ان شاء اللہ!)

جناب قادری صاحب! یہ ہے وہ موت کہ آپ کا شعور اور فہم اس موت کو عزت کی

موت قرار نہیں دیتا، تو سنیے! اگر یہ عزت کی موت نہیں اور جناب والا! اس پر آپ مجھ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو پھر میرا فتویٰ سن لیجیے اور یہ فتویٰ سننے کے بعد اپنے فہم و شعور کی خیر منایے، اس لیے کہ یہ فتویٰ میرا اپنا یا میرے کسی مولوی صاحب کا نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے امام جناب محمد ﷺ کا فتویٰ ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم اٹھا کر دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ خواہش کرتے ہیں:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔''

(بخاري، كتاب التمني، باب ما جاء في التمني...... ٧٢٢٧)

جناب قادری صاحب! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں شہید ہو رہے ہیں۔ یہی وہ مسجد ہے جس میں ہمارے علامہ صاحب کا جنازہ پڑھا جا رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس شہر میں شہید ہو رہے ہیں اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کے ہاتھوں سولی پر لٹک رہے ہیں، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا جا رہا ہے، ناک کان کاٹے جا رہے ہیں، کلیجہ چبایا جا رہا ہے...... تو اب بتلایے! آپ کے ہاں عزت کی موت کونسی ہوتی ہے؟...... بہرحال ہم تو جرمنی کے ہسپتال میں فالج سے مرنے کو بھی ذلت کی موت قرار نہیں دیتے کہ یہ بیماریاں سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔ ہم بات صرف یہ کرتے ہیں کہ فالج سے مرنے والا غوث نہیں ہو سکتا، مشکل کشا نہیں کہلا سکتا۔ جس پر موت طاری ہو جائے اسے داتا بہرحال نہیں کہا جا سکتا اور جو پھر بھی بندوں کو ایسے القابات دینے سے باز نہ آئے، اسے بقول تمھارے ذی شعور اور فہم رسا رکھنے والا شخص قرار نہیں دیا جا سکتا، چہ جائیکہ اسے نابغہ عصر اور علامہ کے القابات سے نواز دیا جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مردوں کی قبروں پر جمع ہونے والی نیاز کھانے والے قبوری کرگس کیا جانیں کہ جہادی شاہینوں کی شان کیا ہے؟ یہ وہ جہادی شاہین ہیں کہ ان کا رزق، جس کے متعلق ان کے امام اعظم اور امام المجاہدین سالار بدر و خندق حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

((جُعِلَ رِزْقِی تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِی))

(بخاری، کتاب الجهاد، باب ما قیل فی الرماح : ۲۹۱۴ سے قبل ۔ مسند احمد : ۲/ ۵۰، ۹۲)

''میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے ہے۔''

یاد رکھیے! یہ مجاہدین تو ایسا پاکیزہ اور دلاورانہ رزق کھانے والے ہیں۔

چنانچہ اب جو جیسا رزق کھائے گا ویسی ہی اس میں صفات ہوں گی۔ تو اہل حدیث وہ جماعت ہے جو مجاہدین کی جماعت ہے۔ ان کے سرخیل شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی انگریزوں اور سکھوں سے برسر پیکار رہے جبکہ خانقاہی لوگ انگریز کے قصیدے پڑھتے تھے۔ یہ اسی رزق کے اثرات ہیں کہ اہل حدیث آج بھی جہاد کے لیے برسر پیکار شہادتیں پیش کر رہے ہیں اور ہمارے خانقاہی لوگ شہادت کی موت کو عزت کی موت ماننے پر تیار نہیں۔ ویسے یہ بھی حقیقت ہے کہ ''زندہ شہید'' کہلانے کا انھیں بڑا شوق ہے اور اس کے لیے جب کوشش کرتے ہیں تو وہ ڈرامہ فلاپ ہو جاتا ہے۔ پھر موصوف اخباروں اور عدالت میں ایک تماشا بن جاتے ہیں۔ اب افریقہ میں ان پر حملہ ہوا ہے اور اس حملے کے بعد طاہر القادری صاحب غازی بن کر لوٹے ہیں اور اپنے رسالے میں ہمارے شہیدوں کو کوس رہے ہیں۔

ہم تو یہی عرض کریں گے کہ اگر آپ شہادت میں مخلص ہیں تو شہیدوں کی جماعت میں آجایے وگرنہ آرام سے اپنے بڑوں کی سنت پر عمل کیجیے اور شہیدوں کو کوستے رہیے۔ اب آپ کے جو بڑے ہیں، ان کے اسوہ کی ایک جھلک ہم آپ کو دکھائے دیتے ہیں مگر قبل اس کے کہ ہم آپ کو انگریز کے ہاں ان کی قصیدہ خوانی، حصول مفادات اور شہیدوں کو کوسنے کی دستاویز پیش کریں...... پہلے ذرا ان کی گدیوں کا جائزہ لے لیں کہ وہ گدیاں کس طرح خدائی کا منظر پیش کرتی ہیں؟ اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ تو آج ہم ان کے سامنے صرف ملتان کی گدیوں کے منظر پیش کرتے ہیں۔ وہ ملتان کہ جسے ''پیراں پور'' بھی کہا جاتا ہے، جسے دلیوں

کا شہر کہا جاتا ہے۔ جس طرح سندھ میں ٹھٹھہ کے ''مکلی قبرستان'' کو سوا لاکھ ولیوں کا دیس کہا جاتا ہے، اسی طرح ملتان کو ''مدینۃ الاولیاء'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ملتان کے قلعے پر قاسم باغ اور درباری مزار:

ملتان کے ولیوں کے بارے میں ملتان ہی کے رہنے والے بھائی عبدالمالک نے معلومات دیں۔

ملتان کو مدینۃ الاولیاء یعنی ولیوں کا شہر کہا جاتا ہے، مشہور ہے کہ ملتان تقریباً سوا تین لاکھ پیروں کا مسکن ہے۔ اس لیے لوگ اسے ''پیراں پور'' کہتے ہیں سوا تین لاکھ میں سے دو لاکھ کو زندہ مانا جاتا ہے اور سوا لاکھ پیر مردہ مانے جاتے ہیں مگر وائے افسوس! ان سوا لاکھ کو مردہ بھی نہیں کہنے دیا جاتا کیونکہ ان مردوں کی پاور زندوں سے بھی زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ اس ملتان کے بارے میں بہاؤالدین زکریا ملتانی نے کہا ؎

ملتان ما بجنت اعلیٰ برابر است
آہستہ پا بنہ کہ ملک سجدہ می کند

''یعنی ہمارا ملتان جنت اعلیٰ کے برابر ہے، پاؤں آہستہ رکھ کیونکہ فرشتے یہاں سربسجود ہیں۔

کیونکہ یہاں بڑے بڑے ولی دفن ہیں۔ چنانچہ آیئے اور ہم سے خاص خاص ولیوں کا تذکرہ سنیے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی فوجیں دیبل (کراچی) سے ملتان تک آئی تھیں۔ یہ حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں چھٹی صدی ہجری تک قائم رہیں پھر تصوف اور قبر پرستی کا دور آیا تو دیبل کے ساحل پر، پہاڑ کی چوٹی پر دربار بن گیا۔ حیدر آباد کا کچا قلعہ درباروں سے اٹ گیا اور ملتان کا قلعہ بھی کہ جسے مجاہدین نے ہندوؤں سے جہاد کر کے اس پر اسلام کا پھریرا لہرایا تھا، آج وہ بھی قبر پرستی کے پرچموں کی زد میں ہے۔ البتہ اس قلعے کے

ایک باغ کا نام محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے نام پر ''قاسم باغ'' رکھ دیا گیا ہے۔

مخدوم بہاؤالدین المعروف بہاول حق:

قاسم باغ میں ایک بزرگ ہیں، یہ سلسلہ جنیدیہ سہروردیہ کے بانی ہیں، ان کے مرشد وجیہ الدین اور ابو نجیب ضیاء الدین ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع ایک قصبہ ''سہرورد'' کے رہنے والے تھے۔ اسی نسبت سے ان کا سلسلۂ طریقت سہروردیہ کہلایا۔ انھیں سماع (قوالی) سے بے حد رغبت تھی۔ حسن قوال، عبداللہ رومی قوال اور شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی نے آپ کے دربار میں کلام سنایا ہے۔ سیر العارفین، تاریخ فرشتہ اور فوائد الفواد میں سماع کی ان محفلوں کا ذکر ملتا ہے جو ان کی خانقاہ اور حجرے میں برپا ہوئیں اور جن میں آپ وجد و حال اور رقص و وصال کی منزلوں سے گزرے۔ عبداللہ رومی قوال نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے دربار میں اپنا کلام سنایا تو بعد میں وہ ملتان آیا اور شیخ زکریا ملتانی نے اسے ساتھیوں سمیت حجرے میں بلایا اور عشاء کی نماز کے بعد دو پارے تلاوت کیے۔ آخر میں عبداللہ قوال سے سماع کی فرمائش کی۔ ہر سال ماہ صفر میں شیخ زکریا ملتانی کا عرس (شادی) ہوتا ہے۔ قبر کو سال کے بعد غسل دیا جاتا ہے اور چادر ڈالی جاتی ہے۔

ہندو ادوار میں قلعہ کہنہ بت ملتان کی وجہ سے پوجا پاٹ کا مرکز تھا تو خیر سے آج بھی یہی قلعہ پوجا پاٹ کا مرکز ہے، آج بھی قوالی گائی جاتی ہے۔ پہلے بھی پھول اور عطر نذر کیے جاتے تھے، آج بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ اس سماع (قوالی) کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ ڈھول تالیوں اور سازوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا کس قدر ثواب کا کام ہے؟ یہ محتاج بیان نہیں۔

لوگوں کا پہلے وقتوں میں دور دراز سے کئی ماہ کا سفر کر کے نذرانے لے کر دعا کے لیے آنا اور سندھ کے ہندوؤں کا سورج دیوتا درشن کے بعد سر اور داڑھی کے بال منڈوانا اور آج بھی دور دراز سے عرس کے موقع پر سندھیوں کا ننگے پاؤں آکر زیارت کے بعد سر منڈانا کتنی گہری

مماثلت رکھتا ہے۔ آج بھی ملتان کے نواحی دریا چناب میں جب کشتی بھنور میں پھنس جائے تو ملاح نعرہ لگاتے ہیں:

''بہاؤ الحق بیڑا دھک''

قرآن گواہ ہے کہ مشرکین مکہ کی کشتی جب بھنور میں پھنستی تھی تو وہ بھی خالص اللہ کو پکارتے مگر نجات پانے کے بعد پھر شرک کرنے لگ جاتے، لیکن آج کا مسلمان نما ملاح تو مشکل گھڑی میں بھی دوسروں کو پکارتا ہے۔ انجام کار ملتان سے کراچی تک چلنے والی ایک گاڑی کا نام بھی بہاؤالدین زکریا ایکسپریس رکھا گیا۔ وہ گاڑی چند سال پہلے سندھ کے سانگھی ریلوے سٹیشن پر ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگئی، جس سے بہت سے جاں بحق ہوئے اور کئی ایک زخمی ہوئے۔ ملتان میں ایک یونیورسٹی کا نام بھی زکریا یونیورسٹی رکھا گیا ہے، جو رزلٹ برائے نام ہی دے رہی ہے۔ یہ یونیورسٹی علمائے دین تو پیدا کرنے سے قاصر ہے لیکن دنیا دار آفیسر بھی کما حقہ پیدا نہیں کر سکی۔

مشہور ہے کہ ملتان ایک نہ ایک دن پانی میں ڈوبے گا...... کیونکہ دریا کے پانی نے بہاؤالدین کے مزار کی چوٹی کو سلام کرنے آنا ہے۔ جس سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مزار کے گنبد کی چوٹی جو شہر کی سطح زمین سے کافی بلندی پر ہے۔ جب پانی اسے سلام کرنے اوپر چڑھے گا تو سارا شہر غرقاب ہوگا مگر قبوریوں کو اس سے کیا غرض کہ چاہے سارا شہر ڈوب جائے لیکن چوٹی کو سلام ہونا چاہیے۔

جب ۱۹۹۲ء میں ملتان میں سیلاب کا ریلا گزرا تو فوج کے ایک ہزار جوان دن رات دریا کے بند بوسن کی حفاظت پر لگے رہے۔ افسوس کہ پانی کو بہاؤ الحق کی چوٹی کو سلام کرنے کے لیے نہ پہنچنے دیا گیا۔ دوسرے دن مقامی اخبار نوائے وقت میں سرخی تھی:

''ملتان شہر کو بند بوسن نے بچالیا''

اس کا مطلب ہے کہ اڑھائی لاکھ اولیاء مدد کو نہ آئے، مدینۃ الاولیاء میں جو ولی ہیں،

کچھ کام نہ آسکے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ چڑھاوے اور چادریں بند بوسن پر چڑھائی جاتیں، چراغ وہاں جلائے جاتے اور ملتان کو شاہ شمس اور بہاؤالحق کی نگری کہنے کی بجائے بند بوسن کی نگری کہا جاتا مگر برا ہو پیر پرستی کا کہ وہ اپنی دکان بند کرنے کو ہرگز تیار نہیں۔

اس قلعے پر ہم مخدوم بہاؤالدین المعروف بہاول حق کے دربار پر پہنچے۔ ان کے بیٹے صدرالدین کی قبر بھی ان کے ساتھ ہے۔ گنبد کے اردگرد برآمدے میں بھی بہت سی قبریں موجود ہیں اور ہر دربار پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دربار کے جو گدی نشین مرتے ہیں اور ان کی جو اولاد فوت ہوتی ہے تو ان سب کی قبریں بھی یہیں ہوتی ہیں اور آنے والا زائر بڑی قبر کے علاوہ ان سب باقی چھوٹی قبروں کو بھی چومتا چاٹتا اور سجدے کرتا نظر آتا ہے۔ یہ بھی شنید (سنی ہوئی بات) ہے کہ ان درباروں پر اگر کوئی دفن ہونا چاہے تو اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

حضرت بہاول حق کے بارے میں بہت سی کرامتیں معروف ہیں مگر ایک کرامت جو سب سے زیادہ معروف ہے اور اس دربار کے ایک خادم، جو محکمہ اوقاف کا ملازم ہے، نے ہمیں بتلائی ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

نو ماہ کا کام چند گھنٹوں میں مکمل ہو گیا:

ایک عورت حضرت بہاؤالدین سے بچہ لینے کے لیے آئی، حضرت نے بچہ دینے سے جواب دے دیا جس کے باعث عورت روتی ہوئی واپس جا رہی تھی کہ راستے میں حضرت بہاول حق کے پوتے شاہ رکن عالم مل گئے۔ انھوں نے عورت سے پوچھا: ''روتی کیوں ہے؟ عورت نے کہا: ''بڑے حضرت نے بچہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔'' تب حضرت رکن عالم جو ابھی خود بھی بچے تھے اور کوئی کھیل کھیل رہے تھے، عورت کو لے کر دادا کے پاس آئے اور بچہ دینے کی فرمائش کی۔ اب حضرت بہاول حق نے ''لوح محفوظ'' پر نظر ڈالی تو پتا چلا کہ بچہ تو وہاں بھی اس کی قسمت میں نہیں ہے۔ اس پر پوتے یعنی شاہ رکن عالم نے کہا:

''دادا جان! میں دعا کرتا ہوں، آپ آمین کہیں (پھر یوں دعا کی) اے اللہ! جو دہلی میں فلاں ہندو عورت ہے، اس کے پاس چھ بچے تو پہلے ہی موجود ہیں اور اب تو اسے اکٹھے دو (جڑواں) دے رہا ہے (ان میں سے) ایک ہندو عورت کو دے دے اور ایک اسے دے دے۔''

اب اس عورت کو کہا گیا کہ تو گھر جا رہی ہے تو اپنے ہمراہ دایہ لے کر جانا۔ چنانچہ وہ گھر گئی اور اگلے دن ہی بچہ پیدا ہو گیا۔

قارئین کرام! ذرا توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سے کیا خوب مقابلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق بچہ ۹ ماہ کے بعد دیتا ہے لیکن رکن عالم نے ایک دن میں ہی ۹ ماہ کا سفر طے کر کے بچہ دے دیا اور کہا کہ ''جاتے ہوئے دایہ ساتھ لے جانا'' یعنی دربار سے گھر تک پہنچتے پہنچتے ۹ ماہ کے تمام مراحل طے ہو گئے۔ اس روایت سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ بہاول حق بھی بڑے کرنی والے ہیں کہ لوگ ڈوبتے ہوئے بھی کہتے ہیں:

''بہاول حق...... بیڑا دھک''

مگر بیڑا دھکنے والے کا پوتا کہ جس کا نام ہی رکن عالم ہے یعنی وہ تو ساری دنیا کا ستون ہے، اپنے دادا سے کہیں آگے ہے اور اللہ کو خدائی کرنے کے انصاف پرور طریقے بھی بتلا رہا ہے، یعنی اللہ کا بہت بڑا مشیر کہ جس کی نظر براہ راست لوح محفوظ پر رہتی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک!)

غور کیجیے! یہ کس قدر گستاخی ہے، اتنی بڑی گستاخی کہ قرآن کے بیان کے مطابق:

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا  (مریم: ۹۰)

''قریب ہے کہ سب آسمان (اس جملے) سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، زمین پھٹ جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔''

قارئین کرام! بہاول حق یا شیخ بہاؤالدین کے دربار کی پائینتی میں قبر کی جگہ خالی تھی،

صرف اردگرد جنگلا تھا اور اس پر پھول پڑے تھے۔ جب اس جنگلے پر لگا ہوا بورڈ دیکھا تو اس پر لکھا تھا:

''یہ نشان مبارک مزار پاک کا زبدۃ المشائخ ،قطب زماں، حضرت رکن الدین حضرت شیخ صدر الدین عارف کے فرزند اور حضرت شیخ الاسلام غوث العالمین، بہاؤالدین زکریا قدس سرہ کے پوتے اسی جگہ مدفون تھے۔ بعد میں حضرت غوث پاک نے بادشاہ وقت محمد بن تغلق کو بشارت دی کہ حضرت رکن الدین کو میرے قدموں سے نکال لیں۔ جب حضور کا صندوق مبارک نکالا گیا تو لاکھوں عقیدت مند بھی شامل تھے۔ وصال کی تاریخ جمعہ کی رات جمادی الاولیٰ ۷۳۵ھ ہے۔''

قارئین کرام! یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کا دور مسلمانوں میں قبر پرستی کے پھیلاؤ کا دور ہے، تصوف اور پیر پرستی کا زمانہ ہے اور یہی وہ دور ہے جو مسلمانوں کے لیے زوال اور ذلت کا دور ہے۔ چنگیز اور ہلاکو کی بربادیاں اسی دور سے متعلق ہیں اور بدقسمتی سے مسلمانوں کے غوث العالمین (تمام جہانوں کے فریادرس) بھی زیادہ تر اسی دور میں رونما ہوئے۔

شاہ رکن عالم

روایات کے مطابق شاہ رکن عالم المعروف ''نوری حضوری'' شیخ صدر الدین عارف کے بیٹے اور زکریا ملتانی کے پوتے ۶۴۹ھ میں مادر زاد ولی پیدا ہوئے، قطب الاقطاب بنے۔ دس سال کی عمر میں کشف قبور، کشف الصدور، طے الارض، طے اللسان میں مہارت حاصل کی۔ پچیس سال کی عمر میں کمالات ظاہری اور باطنی سے مالا مال ہوئے۔ سلطان علاؤالدین خلجی، غیاث الدین تغلق اور محمد بن تغلق آپ کے خصوصی عقیدت مندوں میں سے تھے۔ چلی چلائی روایات کے مطابق کشف قلوب کا یہ عالم تھا کہ آپ کی مجلس میں جس شخص کے دل میں جو بات گزرتی، آپ پر مکشوف ہو جاتی تھی اور طے الارض کا یہ حال تھا کہ جہاں چاہتے تھے،

چشم زدن میں پہنچ جاتے تھے۔ چنانچہ جامع العلوم ملفوظات مخدوم جہانیاں میں ہے:

"آپ ہر شب جمعہ اور شب شنبہ کو مکہ معظّمہ تشریف لے جاتے اور مسجد الحرام میں نماز ادا کرتے تھے، پھر مدینہ منورہ جاتے اور رسول اللہ ﷺ کے روضہ کی زیارت کرتے اور سلام پڑھتے تھے۔"

جنتیوں اور جہنمیوں کی پہچان کا عجیب طریقہ:

اب شاہ رکن عالم کو اسی قلعے پر ایک ایسے مقبرے میں دفن کیا گیا ہے جو بادشاہ وقت نے اپنے لیے بنوایا تھا۔ ہم بھی اسی مقبرے میں کھڑے ہیں۔ یہ مقبرہ اتنا بڑا اور مضبوط ہے کہ دیکھنے والوں کو معماروں کی یہ عمارت کہ جس پر بادشاہ نے بے شمار رقم صرف کر ڈالی تھی، دنیا کا ایک ستون ہی دکھائی دیتا ہے۔ اس دربار کے اندر اب جسے دفن کیا گیا ہے...... تصوف کی دنیا میں وہ بھی کوئی معمولی حضرت نہیں بلکہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک بار جب وہ چھوٹے تھے تو انھوں نے جنتیوں کی جوتیاں الگ کر دیں اور جہنمیوں کی الگ۔ جب دادا کو معلوم ہوا تو انھوں نے پوتے کو منع کر دیا کہ "ایسا نہ کیا کرو۔" تو حضرت رکن عالم جو کہ بچپن ہی سے کرنی والے تھے...... بھلا جوانی اور پیری میں کیا ہوں گے اور پھر پردہ فرمانے کے بعد اب تو نہ جانے کیا کچھ ہوں گے!!...... بہر حال تصوف کی دنیا میں یہ نہ جانے کیا سے کیا ہوں گے؟ مگر اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت یہ بتلاتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے لیے بڑی کوشش کی کہ وہ کلمہ پڑھ لے مگر انھوں نے کلمہ نہ پڑھا، حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ ابوطالب کے سرہانے بیٹھ کر آخری وقت پر بھی چچا سے اصرار کرتے رہے مگر چچا نے صاف انکار کر دیا۔ اب اگر اللہ کے رسول ﷺ کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے چچا کو تو بہر حال جہنم میں آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے، تو آپ اس قدر اصرار ہی نہ کرتے یا پھر اصرار کرنے سے پہلے لوح محفوظ پر ہی نظر ڈال لیتے مگر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے پاس تو فرشتے آتے ہیں جبکہ ولی حضرات کی پروازوں کا کیا کہنا!!! وہ تو لوح محفوظ تک دیکھتے پھرتے ہیں۔

یقین کیجیے! یہ من گھڑت قصے کہ جنھیں کرامتوں کے نام سے معروف کیا جاتا ہے، یہ اللہ کی بھی گستاخیاں ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ اور اس کے نبیوں کی بھی اور ان سے جو مقصد ہے وہ صرف اور صرف قبوری نیازوں میں اضافہ ہے اور بس!

شاہ رکن عالم کا ''قبہ'' اتنا بڑا ہے کہ اس کے اندر ساٹھ قبریں ہیں، جبکہ رکن عالم کی قبر جو سب سے اونچی اور بڑی ہے، اس کے پاؤں کی جانب ایک ''سوراخ'' ہے اور اس ''سوراخ'' میں اکثر لوگ سجدے کر رہے تھے جبکہ دربار سے باہر فرش پر بھی بہت سی قبریں ہیں مگر یہ قبریں فرش کے ساتھ برابر ہیں اور ان پر صرف لفظ ''قبر'' لکھا ہے۔

بال لمبے کرنے اور گنجا پن کے خاتمہ کا خانقاہی طریقہ علاج:

اس دربار کے قبے کی دیوار پر میری نظر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے کچھ حصے پر تیل لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اپنے بال اور قد بڑھانے ہوتے ہیں، وہ یہاں اپنا سر رگڑتے ہیں۔

مخدوم سجاد حسین قریشی جو اس دربار کے سجادہ نشین ہیں اور وہ پنجاب کے ایک عرصہ تک گورنر رہے ہیں، عبرت کا مقام ہے کہ ان کے اپنے بال بڑے نہیں ہو سکے اور پھر ان کی گورنری کے دور میں جناب نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہوا کرتے تھے، وہ بھی اس دربار پر کئی دفعہ گئے اور گدی نشین صاحب تو ان کے گورنر تھے، وہ اپنا درباری ہاتھ ہی نواز شریف کے سر پر رکھ دیتے مگر یہ بھی عبرت کا مقام ہے کہ دونوں ہی بالوں سے محروم رہے...... اور لوگ ہیں کہ اپنے گنج ختم کرنے کے لیے اپنی ٹنڈیں دیوار پر رگڑ رہے ہیں اور عورتیں ہیں کہ زلفیں لمبی کرنے کے لیے یہاں سر رگڑ رگڑ کر تماشا بنتی ہیں۔

یقیناً خوش قسمت ہیں وہ لوگ کہ توحید کی برکت سے جنھیں اللہ نے ان ذلت آمیز حرکتوں سے محفوظ رکھا ہے۔

کچھ دیگر گدیاں:

پاکستان کے بڑے اور قدیم یہی دو دربار تھے، جو قلعے پر واقع ہیں۔ یہ ہم نے دیکھ لیے تھے۔ اب ایک تیسرے دربار کا مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ حامد علی خان کا دربار ہے۔ ان کے بیٹے محمد میاں گدی نشین ہیں۔ یہ نوجوان گدی نشین ایم۔ اے اکنامکس ہیں۔ ہماری ان سے ملاقات بھی ہوئی۔ دینی تعلیم سے نا آشنا ہیں، البتہ روحانیت کے نام سے ان کی ''دنیاوی انکم'' کا بندوبست دربار کی شکل میں خوب ہوگیا ہے۔ دوران گفتگو وہ مجھے پہچان چکے تھے کہ میں کون ہوں؟ میں نے بھی رخصت ہوتے وقت انھیں ''آسمانی جنت اور درباری جہنم'' بھیجنے کا وعدہ کیا اور یوں اب ہم قلعے سے نیچے اترے آئے۔

شاہ شمس تبریز سبزواری:

امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو امام ماننے والے اسماعیلی کہلاتے ہیں اور چھوٹے لڑکے موسیٰ کاظم کو امام ماننے والے اثنا عشری امامی کہلاتے ہیں۔ مصر میں رہنے والے اسماعیلی (آغا خانی) حضرت فاطمہ کی اولاد ہونے کے دعویدار ہیں۔ اسی نسبت سے وہ فاطمی کہلاتے ہیں۔ حمدان عرف قرمط کے پیروکار قرامطی کہلاتے ہیں۔ یہ سات ائمہ کے قائل ہیں۔ ان کا ظہور کوفہ میں بمقام بہرین ہوا۔ چوتھا فرقہ باطنی کہلاتا ہے جس کا سرغنہ حسن بن صباح تھا، جس نے حشیش کی جنت بنا کر فدائیوں کی جماعت تیار کی تھی اور ان کے ذریعے دنیائے اسلام کے بڑے بڑے قائدین کو قتل کرا دیا تھا۔ یاد رہے! شیعہ قرامطیوں کے جو مبلغ ہیں وہ داعی کہلاتے ہیں۔ شاہ شمس تبریز سبزواری بھی داعی بن کر ملتان آئے تھے۔

شاہ شمس کا بہاؤالدین زکریا سے مقابلہ:

کتاب ''نور مبین'' مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند بمبئی میں شاہ شمس کی ملتان آمد کا ذکر اس طرح ہے:

”حضرت پیر شمس (۷۵۷ء) کی شہرت بڑھنے سے بہاؤالدین زکریا نامی ایک درویش کو اپنی عزت کی نسبت ڈر پیدا ہوا۔ گلزار شمس کی روایات کے بموجب شیخ زکریا ملتانی نے اپنے خاص مرید خان محمد حاکم شہید کو حکم دیا کہ پیر شمس ملتان آئیں گے تو ہمیں بھی ان کی اطاعت کرنی پڑے گی، اس لیے تمام کشتیوں کو قبضہ میں لے لو تاکہ وہ شہر میں داخل نہ ہوسکیں۔ مرید نے اس حکم پر عمل کیا اور جب پیر شمس نے دریا کے کنارے پر آکر دیکھا تو ایک بھی کشتی نظر نہ آئی۔ انھیں بے حد غصہ آیا۔ ایک کاغذ کی کشتی بنائی، اس میں خود بیٹھ گئے اور باقی ساتھیوں کو اپنی انگلی پکڑنے کے لیے کہا۔ سب نے اس پر عمل کیا۔ کشتی اس وقت ندی میں بہنے لگی مگر چکر کھانے لگی۔ پیر شمس نے دریافت کیا کہ کسی کے پاس دنیاوی مال ومتاع ہے؟ شہزادہ محمد کو ان کی والدہ نے زادِ راہ کے لیے چند زیورات دیے تھے، اس کو انھوں نے پیر شمس کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے ان جواہرات کو (جو پہلے زیورات تھے) دریا میں پھینکوا دیا۔ (پانیوں کے بادشاہ حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں بطور نذرانہ تاکہ کشتی خیریت سے پار لگ جائے) تو کشتی چل پڑی۔ جب (دریا کے) بیچ میں پہنچی تو بہاؤالدین زکریا کی نظر اس پر پڑی تو اس نے بد دعا دی۔ اس لیے کاغذ کی کشتی وہیں رک گئی۔ پیر شمس بہت حیران ہوئے۔ آخر ان کی نظر بہاؤالدین زکریا پر پڑی جو کھڑکی میں سے سر نکالے بیٹھے تھے۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ میری کشتی انھوں نے روکی ہے۔ پیر شمس نے جونہی ان کی طرف دیکھا تو بہاؤالدین زکریا کے سر پر دو سینگ نمودار ہوئے اور سر کھڑکی میں اٹک گیا۔ بہاؤالدین اس مصیبت سے گھبرا گئے اور اپنے بیٹوں کو معافی کے لیے پیر شمس کے پاس بھیجا۔ ان لڑکوں نے والد کی طرف سے معافی مانگی۔ پیر شمس نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ اس طرح بہاؤالدین کو اس مصیبت سے نجات ملی۔ آج تک ان دونوں سینگوں کی نشانی ان کے بیٹوں میں باقی ہے۔“

ملتان ازمنہ قدیم سے سورج دیوتا کی پرستش کا مرکز:

قارئین کرام! شاہ شمس کی کرامت سے سورج کا نیچے اتر آنا تاکہ شاہ شمس اپنی بوٹی کو بھون سکیں اور علاقے کا نام اس وجہ سے ''سورج کنڈ'' مشہور ہو جانا اور شاہ شمس کا سورج کو یہ کہنا کہ ''زمانہ قدیم سے تیرا عاشق ہوں'' کیا محض چلی چلائی ایک اتفاقی بات ہے یا یہ کسی سوچی سمجھی سازش کی کڑی ہے۔ آئندہ سطور میں ہم ملتان کی تاریخ کے حوالے سے ثابت کریں گے کہ کس طرح ملتان ازمنہ قدیم سے ہندوؤں کے سورج دیوتا کی پرستش کا مرکز رہا ہے اور بعض ولیوں کے حوالے سے ملتان کے اس ہندوانہ تشخص کو مسلمانوں میں مسلسل زندہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاید آگے سازشیوں کا ارادہ ہو کہ بالآخر وہ ایسی من گھڑت روایات کے ذریعے ملتان کو دوبارہ سورج دیوتا کی پرستش کا مرکز بنا دیں گے لیکن وہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ اگرچہ غیر محسوس طور پر یہ شرکیہ سفر اب بھی جاری ہے۔ تو اب ملتان کے مختلف قدیم ناموں کے حوالے سے نظر ڈالیے کہ کس طرح ملتان پہلے سورج دیوتا کا مرکز تھا۔

ملتان کا قدیم نام اگرچہ تواریخ میں ''میسان'' ملتا ہے تاہم اس کے دیگر نام بھی ملتے ہیں...... مثلاً:۔

کشب پورہ:

ہندوؤں کے دیوتا کی رو سے ملتان کو برہما جی کے بیٹے اور سورج دیوتاؤں کے باپ کشب رشی نے آباد کیا اور سورج پرستی کی بنیاد رکھی، اس لیے اس کی نسبت سے اس کا نام کشب پورہ رکھا گیا۔

پرہلاد پورہ:

کشب کا چھوٹا بیٹا پرہلاد اللہ کے وجود کا قائل تھا جبکہ اس کا باپ کشب خود کو اللہ اور غیر فانی سمجھتا تھا مگر کشب کے بیٹے پرہلاد نے اپنے باپ کا یہ دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کر

دیا۔ اس نے توحید کی جوت جگانا شروع کر دی اور لوگوں کو اللہ واحد کا قائل بنانے لگا۔ لڑکے کا یہ فعل باپ کو ناگوار گزرا۔ اس نے پرہلاد کو سزا دینے کے لیے قلعہ کہنہ کی سطح مرتفع پر ایک مندر (جسے پرہلاد بھگت نے خود بنوایا تھا) میں سونے کا مخروطی ستون بنوایا اور اسے خوب گرم کر کے پرہلاد کو توحید پرستی کی سزا دینے کے لیے اس کے اندر بندھوا دیا۔ ہندو عقیدہ کے مطابق ستون درمیان سے پھٹا اور نرسنگھ اوتار ظاہر ہوئے، جنھوں نے پرہلاد کو اس اذیت سے نجات دلانے کے لیے اس گولڈن ستون کو مٹی کے ستون میں بدل کر ٹھنڈا کر دیا اور کشب کو قتل کر کے تخت پر پرہلاد بھگت کو بٹھا دیا۔ وہ مندر آج بھی قلعہ کہنہ پر موجود ہے۔ مندر کے اندر درمیان میں مٹی کا ستون بنا ہوا ہے اور اوپر سے پھٹے ہوئے ستون کا نشان بنا کے سرخ رنگ کیا گیا ہے۔ اس ستون کی پوجا ہوتی تھی اور یوں ملتان کا نام پرہلاد پورہ رکھ دیا گیا تھا۔ اس مندر کو اب بابری مسجد کی شہادت کے ردعمل کے طور پر گرا دیا گیا ہے۔

سنب پورا:

پرہلاد کے بعد اس کے پڑپوتے سنبہ نے ملتان میں پھر سورج دیوتا کا بت بنا کر اس کی پرستش شروع کرا دی۔ تب اس کے نام پر ملتان سنب پورہ کہلایا۔ سنبہ جذام کا مریض تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق سورج دیوتا نے سنبہ کو شفا دی تو اس نے شکرانے کے طور پر سونے کا ایک بت بنوایا اور مندر میں رکھوا دیا۔ اسے ''مترا'' کہا جاتا تھا اور مندر کو ''اوی ستھان'' یعنی سورج دیوتا کے مندر کی اصل جگہ۔

مول استھان:

سنسکرت زبان میں ''مولا'' کے معنی ''اصل'' اور استھان کے معنی ''جگہ'' کے ہیں، یعنی مندر کو ''اوی استھان'' کہا جاتا تھا لیکن ملتان کو ''مول استھان'' کہا جانے لگا۔ بعد میں مول استھان کو زبان کے فرق کی وجہ سے ہلکا کر کے ''مولتان'' بنا لیا گیا، جو آخر کار ''واؤ'' کے حذف ہونے سے ''ملتان'' بن گیا۔

''بت ملتان''

چینی سیاح ہیون سانگ (بدھ مت کا پجاری) بدھ مت کے تقریباً تمام سٹوپوں اور خانقاہوں کی زیارت کرتا ہوا اکتوبر ۶۴۱ء میں ملتان پہنچا اور اس نے ملتان کا نام ''موستھان پورہ'' لکھا۔ وہ لکھتا ہے:

''یہاں پر ہندوؤں کے آٹھ مندر ہیں۔ ایک مندر جو سورج دیوتا (مترا) کا ہے، بہت عالی شان ہے۔ بت پیلے سونے کا بنا ہوا ہے اور اسے نادر جواہرات سے سجایا گیا ہے۔ عورتیں اس مندر میں سورج دیوتا کی تعریف میں مشعلیں روشن کر کے گاتی بجاتی ہیں اور پھول اور عطر دیوتا کی نذر کرتی ہیں۔ یہ رسم بہت قدیم ہے۔ بادشاہ اور امراء کے خاندان والے قیمتی جواہرات اور پتھروں پر مشتمل تحائف دیوتا کو پیش کرنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ قریب ہی ایک جگہ کھانے پینے (لنگر) کا انتظام ہے جہاں غرباء کے لیے کھانا اور پانی مہیا ہوتا ہے اور بیماروں کو دوائیں دی جاتی ہیں۔ بہت سے علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ دعا مانگنے کے لیے آتے ہیں۔''

ملتان کو ازمنہ قدیم ہی سے مذہبی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ایک وقت تو ایسا آیا کہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے ہندو کئی ماہ کا سفر کر کے آتے تھے۔ ہندو پجاری اور برہمن اس بے پناہ دولت پر سانپ بن کر بیٹھے تھے۔ یہ پروہت اور پنڈت ملتان میں ''مترا'' کے اہم مندر اور بت کی آڑ میں پورے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے غریب ہندوؤں کا بری طرح استحصال کر رہے تھے۔ یہ استحصال نقدی، دوسری اشیاء اور عورتوں (دیوداسیوں) کے جسموں کی پامالی کی شکل میں ہو رہا تھا۔ پنڈت عقیدت مندوں کی پائی پائی نچوڑ لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ ان گنت معصوم مریدنیاں ان کی خواہشات نفسانی پر دن رات قربان ہوتی رہتی تھیں۔

صدیوں سے اس مندر میں جو بے انداز دولت اکٹھی ہو رہی تھی، اس کا قطعاً کوئی مصرف نہیں تھا، پجاری اسے دانتوں سے پکڑ کر بیٹھے تھے۔ اس طرح بے پناہ مالی وسائل ملک میں گردش کرنے کی بجائے ملتان کے اس بہت بڑے مندر کی پر اسرار تاریکیوں میں منجمد پڑے تھے۔ بالآخر مسلمانوں نے اس مندر کی استحصالی مرکزیت اور پنڈتوں کی شرمناک کارگزاریوں کا خاتمہ کیا اور صدیوں سے بے کار طریقے پر جمع شدہ بے پایاں سرمائے اور دولت کو مصرف میں لاکر اسے پھیلا دیا۔ قدیم سنسکرت اور برہمنی لٹریچر میں سے بھوشیہ پران میں بھی سورج دیوتا (مترا) کے بت کا خاص طور پر ذکر آیا ہے۔ عرب جغرافیہ دان ''البلاذری'' نے (۸۴-۸۹۳ء) میں اپنی کتاب فتوح البلدان میں ملتان کے مندر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں کو وہاں سے بے شمار جواہرات اور سونا ملا۔ ایک عرب مؤرخ ابوزید (۹۱۶ء) نے لکھا ہے کہ ملتان کے مندر میں جلانے کے لیے ملک آسام سے صندل کی خوشبودار لکڑی لائی جاتی تھی۔ عرب جغرافیہ دان اصطخری (۹۵۱ء)، مؤرخ ابن حوقل (۹۷۶ء)، مراکش کے جغرافیہ دان الادریسی (۱۱۰۳ء)، زکریا قذوینی (۱۲۶۲ء) اور المسعودی (۹۱۵ء) لکھتے ہیں:

> ''جب کبھی ہندو راجے ملتان پر حملہ آور ہوتے اور مسلمان ان کے مقابلے میں عاجز آجاتے، تو دھمکی دیتے کہ ہم اس بت کو توڑ دیں گے۔ اس پر ہندو فوجیں واپس چلی جاتیں۔''

یہ تھا ہندوؤں کا عقیدہ کہ اپنے بتوں کو مسلمانوں کے آگے بے بس بھی پاتے لیکن پھر بھی ان کی پوجا کرتے۔ سچ ہے کہ مشرک کی عقل ماری ہوتی ہے۔

کڑیاں ملتی ہیں:

قارئین کرام! آپ نے ابھی پچھلے صفحات میں ملاحظہ کیا کہ ملتان شروع ہی سے سوریہ (سورج) دیوتا کی پوجا کا مرکز رہا ہے۔ اگر آپ ذرا غور کر کے کڑیاں ملائیں تو خود بخود

واضح ہو جائے گا کہ کس طرح چالاکی سے ہندو ازم کو اسلام کا لبادہ اوڑھایا گیا ہے۔ یہ سورج کنڈ جہاں ہندوؤں کے لیے اشنان کرنے کا تالاب بنا ہوا ہے، ہندو عقیدے کے مطابق نرسنگھ اوتار نے پرہلاد بھگت کو کشب سے نجات دلانے کے بعد اپنے ساتھ آئے ہوئے تمام دیوی دیوتاؤں سمیت اسی سورج کنڈ کے تالاب سے ہی پانی پیا۔ (جو ملتان شہر سے تقریباً تین چار کلو میٹر دور ہے) اور اب کہا جاتا ہے کہ شاہ شمس کی کرامت کی وجہ سے یہ علاقہ سورج کنڈ کہلایا۔ اس کے علاوہ سورج میانی، حرم دروازہ کے اندر مندر توتلاں مائی، ریلوے سٹیشن کے قریب مندر جوگ مایا (جہاں چیت اور اسوج میں نوراترہ کے میلے لگتے تھے) ہندو دیوتا شری رام چندر جی کا بیرون دہلی دروازہ، میلسی اور دنیا پور کی سڑکوں کے مقام اتصال پر مندر ''رام تیرتھ'' جہاں بھادوں کے مہینا میں پورن ساون مل، بیرون ماشی کا میلا لگتا تھا اور سبزی منڈی کے قریب مندر نرسنگھ پوری، بیرون دہلی دروازہ گیان تھا۔ (جس میں اب مدرسہ خیر المدارس ہے) بازار چوڑی سرائے میں جین مندر اور چوک بازار میں مندر ہنومان جی۔ یہ تمام ملتان کے مندر اور خاص طور پر شاہ شمس (سورج) جس کی کرامتی تصویر ہندوؤں نے اپنے مندر کے مقام سورج کنڈ کے مقام پر نقش کی ہوئی تھی، سورج پرستی کے دور کی واضح عکاسی کرتے ہیں۔ ہندو مسلم فسادات کے زمانہ میں مندرجہ بالا مندر خاص طور پر گیان تھلہ ہندوؤں کے دفاعی قلعوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ حسب ضرورت ان میں ناجائز اسلحہ جمع رہتا تھا، جس سے مسلمانوں سے خون کی ہولی کھیلی جاتی تھی۔

اب ہم مذکورہ بالا شاہ شمس تبریز سبزواری کے دربار پر گئے۔ یہ شیعہ حضرات کے بزرگ ہیں اور انھی کا یہاں راج ہے۔ پنجے اور سیاہ علم دکھائی دے رہے تھے۔ ان حضرت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت ولایت کی بلندیوں کو یہاں تک چھونے لگے کہ ان کے جسم میں جو کیڑے پڑے ہوئے تھے، وہ بھی گرتے تو یہ انھیں اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دیتے اور کہتے:

''اپنی خوراک کھاؤ۔''

جب گوشت بھوننے کے لیے سورج زمین پر آ گیا:

شاہ شمس تبریزی جب ایران سے یہاں ملتان وارد ہوئے تو کوئی انھیں اپنے قریب نہیں آنے دیتا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک بوٹی تھی، جب بھوک لگی تو انھوں نے اسے بھوننا چاہا لیکن کسی نانبائی نے انھیں اپنے تندور کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ چنانچہ انھوں نے بوٹی آسمان کی جانب کی ......سورج قریب آ گیا اور بوٹی روسٹ ہونے لگی...... مگر اس کے ساتھ ہی پورا ملتان بھی روسٹ ہونے لگا...... لوگ چیخ پکار کرتے ہوئے حضرت کے پاس آئے اور فریاد کرتے ہوئے معافی کے خواستگار ہوئے...... اب انھیں پتا چلا کہ یہ حضرت کس قدر کرنی والے ہیں۔ تو اس کے بعد ان کا نام شمس یعنی سورج ہو گیا۔ ملتان کا سب سے بڑا تعزیہ حضرت کے دربار ہی سے برآمد ہوتا ہے۔ اس دربار کی ایک دیوار پر لکھا ہوا تھا:

"یوم انہدام جنت البقیع"

معلوم ہوا کہ یہ دن پچھلے دنوں یہاں منایا گیا ہے۔ سعودی عرب کے حکمرانوں کو گالیوں سے نوازا گیا ہے، اس لیے کہ انھوں نے بقیع الغرقد میں قبے اور مزارات شریعت کے مطابق برابر کر دیے تھے۔

جب شاہ عبدالعزیز نے خانقاہی نظام کے سرداروں کو چیلنج کر دیا:

شاہ فیصل کے والد سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب یہ قبے گرائے تو تب ہندوستان سے علماء کے کئی وفد سلطان سے ملنے سعودیہ گئے اور درباروں کو از سر نو تعمیر کرنے کی گزارشات پیش کیں۔ اس پر کتاب وسنت کے متبع سلطان نے کہا:

"تم قرآن اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے پختہ قبروں کی تعمیر ثابت کر دو، میں سب قبریں سونے کی بنا دوں گا۔"

یہ جواب سنتے ہی ہندوستان کے درباری علماء اور بڑے بڑے صوفیاء ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، سب کے لبوں پر تالے لگ گئے اور سب ہی لاجواب ہو کر ہندوستان کو واپس

لوٹے، تو اب یہ وہی یوم ہے جو یہاں منایا جا رہا تھا۔

ہر اینٹ پر ایک قرآن:

ملتان کا ایک اور دربار حافظ جمال کا ہے۔ اس دربار کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کی ہر اینٹ پر ایک دفعہ قرآن ختم کیا گیا ہے اور پھر ان اینٹوں سے یہ دربار بنایا گیا ہے۔

یقین جانیے! اس دربار کے بارے میں یہ سن کر میں حیران رہ گیا اور ان درباری پیروں کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا کہ انھوں نے اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے کیا کیا سوانگ رچا رکھے ہیں اور کس قدر نام نہاد مقدس پردے ان سوانگوں پر چڑھا رکھے ہیں۔ اب پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن بھلا اینٹوں پر پڑھنے کے لیے آیا ہے......؟ وہ اینٹیں کہ جنھیں ایک ایسی قبر کا حصہ بننا ہے کہ جسے لوگوں سے پجوانا مقصود ہے۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ''پختہ قبر سے منع فرمایا ہے، صحابی رسول فرماتے ہیں:

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ))

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن تجصیص القبر والبناء علیه : ۹۷۰)

''رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

مگر داد دیجیے! ان قبروں کی کمائی کھانے والوں کو کہ کس طرح ہوشیاری اور چالاکی سے انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کو جھٹلایا اور ان کے فریب کو داد دیجیے کہ فرمان رسول ﷺ کو بھی جھٹلایا اور پھر اپنی بدعت کو قرآن خوانی کے مقدس پردے میں ملفوف بھی کر دیا۔

قارئین کرام! یہ بات یاد رکھ لیجیے کہ جس کام سے اللہ کے رسول ﷺ منع فرما دیں، وہ کام مردود ہے، اگرچہ اس کام پر لاکھ ہوشیاری اور چالاکی سے تقدس کا پردہ اوڑھنے کی کوشش کی جائے، وہ کام بہر حال مردود ہی رہے گا۔ شراب کی بوتل پر ایک لاکھ دفعہ قرآن پڑھ دیا دیا جائے، وہ حرام ہی رہے گی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اسے حرام قرار دیا

ہے۔ سود کے نوٹوں پر اور رشوت کے پیسوں پر ایک کروڑ دفعہ قرآن پڑھ کر ختم دے دیا جائے تب بھی یہ سود سود ہی رہے گا، رشوت ہی رشوت رہے گی۔ ایسے ہی پختہ قبر پر یا مزار پر اربوں دفعہ قرآن ختم کر دیا جائے اور عرق گلاب پر قرآن خوانی کر کے اس سے مزار کو دھو دیا جائے مگر چونکہ قبر کو پختہ کرنے سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اس لیے یہ مزار اور قبے، یہ عرس اور میلے شرک اور بدعت ہی ٹھہریں گے، یہ عمل مردود ہی رہے گا، اسے تقدس کے لاکھ پردے اوڑھا دیے جائیں یہ بہرحال قابل مذمت ہی ٹھہریں گے۔

حافظ جمال کے دربار کے باہر بڑے وسیع وعریض لان میں دربار کا خلیفہ مخدوم گل محمد چارپائی پر براجمان تھا۔ میں چارپائی پر حضرت کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ گفتگو شروع کی مگر حضرت صاحب تو بالکل ان پڑھ تھے، دنیاوی سوجھ بوجھ سے بھی نا آشنا تھے۔ بس ان کا کمال یہی تھا کہ وہ اس گدی کے خلیفہ اور حافظ جمال کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، لوگ نذر و نیاز دیتے ہیں اور یہ بیٹھے بٹھائے گل چھرے اڑا رہے ہیں۔

موسیٰ پاک شہید:

ملتان کا ایک اور بڑا دربار موسیٰ پاک شہید کا ہے۔ جب ہم اس دربار پر گئے تو اس صاحب دربار بزرگ کے بارے میں جو سب سے بڑی اور ٹاپ کلاس کرامت معلوم ہوئی، وہ یہ ہے کہ دوران جنگ مدینے میں ان کا سر کٹ گیا تھا، سر مبارک اب حضرت کی جھولی میں تھا اور حضرت وہاں سے چلے اور ''اچ شریف'' آ گئے، بارہ سال وہاں رہے، پھر ایک گاؤں ''منگھا ہٹی'' تشریف لائے۔ بارہ سال وہاں گزار دیے، پھر اسی حالت میں گھوڑے پر بیٹھ کر ملتان آ گئے۔ چنانچہ ملتان کا ''پاک گیٹ'' اب انہی کے نام سے موسوم ہے۔ ایک ٹرین بھی موسیٰ پاک شہید کے نام سے لاہور تا ملتان چل رہی ہے۔ اس کرامت کے زور پر حکومت کے محکمہ اوقاف کی آمدنی کی گاڑی بھی خوب چل رہی ہے۔ اس لیے کہ یہ دربار محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ہے۔ اس دربار کے سامنے ایک کھلا لان ہے جس کے ارد گرد مزید درباری

خلافت کی گدیاں ہیں۔ سب سے بڑی گدی سید وجاہت حسین کی ہے اور یہ خود ہی گدی نشین ہیں۔ اسی طرح حضرت کی اولاد سے ایک سید غلام قاسم شاہ گیلانی ہیں۔ یہ اپنی گدی پر براجمان تھے، تعویذوں اور نیازوں کا کام جاری تھا۔ درباری خلیفہ صاحب اپنے پاؤں زمین سے اوپر لکڑی کی ایک چوکی پر رکھے ہوئے تھے اور مرید حضرت کو دبانے میں مصروف تھے۔

یہ مسکین خلیفہ ہے اس لیے......:

ایک دوسرے حضرت تجمل حسین شاہ صاحب تھے۔ یہ دربار کے مین گیٹ کے بالکل سامنے ایک برآمدے میں چارپائی پر بھاری بھرکم جسم کے ساتھ صاحب فراش تھے۔ حقہ شریف نوش فرما رہے تھے۔ ہم جب ان کے قریب گئے تو ان کا ایک خادم کہنے لگا:

''یہ بھی حضرت موسیٰ پاک شہید کی اولاد سے ہیں مگر چونکہ مسکین ہیں، اس لیے یہ خلیفہ صاحب یہاں پڑے ہیں، جبکہ وہ دوسرے امیر آدمی ہیں۔''

میں اس کی بات سے سمجھ گیا کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے یعنی یہ کہ آپ اپنی مشکل کشائی چاہتے ہیں تو ضروری نہیں کہ حضرت وجاہت حسین کے ہاں ہی سے ہو، یہ بھی تو حضرت موسیٰ پاک کی نسل سے ہیں لہٰذا ان سے مشکل کشائی کروا لیجیے...... اور یہ غریب بھی ہیں لہٰذا ان کی مدد بھی کر دیجیے! اس لیے کہ ان مشکل کشا گداؤں کے ہاتھ پر آپ نقد رقم رکھیے اور پھر ان کی مشکل کشائی کا گھر میں جا کر ادھار کی شکل میں انتظار کیجیے!

قارئین کرام! واقعی مجھے ان خلفائے عظام، پیران طریقت، خواجگان ملت، اقطاب زمانہ، کرنی والے اولیائے کرام، حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنے والے صوفیائے کرام پر بڑا ترس آ رہا تھا کہ حکومت نے ان سے دربار چھین لیا ہے، آمدنی کے کارخانہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب یہ بے چارے مشکل کشا بے دخل ہو کر ایک کھلے لان میں حسرت و یاس کا مجسمہ بنے بیٹھے ہیں کہ آہ! وہ پیسے جو اندر جا رہے ہیں، ان پر ہمارا حق ہے مگر یہ بے چارے

مشکل کشا حکومت سے اپنا حق لینے سے قاصر ہیں۔ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں مگر اپنی مشکل کشائی کرنے سے قاصر ہیں اور پھر آپس میں بھی ان بے چاروں کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر نہ جانے ان کے اندر کی حالت اس وقت کیا ہوتی ہے، جب ایک کے پاس مرید زیادہ جاتے ہیں اور دوسرا تہی دامن ہو کر دیکھ رہا ہوتا ہے اور سوچ رہا ہوتا ہے کہ کاش! یہ مرید اور مریدنی میرے پاس آتے تو میری مشکل حل ہو جاتی۔

مگر قارئین کرام!...... یہ مشکل کشا بڑے حوصلے والے لوگ ہیں کہ اس کشمکش کے باوجود اپنے گاہکوں پر نظریں ٹکائے رہتے ہیں، امیدیں لگائے ہوئے ہیں کہ شاید کوئی آجائے تو مل ملا کر ایک دوسرے کی مشکل حل کریں ...... مگر مشکل کشا حضرت موسیٰ پاک کی اولاد پاک کے یہ حضرت ہی ٹھہریں گے۔

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی آمد اور سونے کے ذخائر کی دریافت!:

جب محمد بن قاسم رحمہ اللہ آٹھویں صدی کے اوائل میں اسلام کی شمع لے کر ملتان آئے تو یہاں کی ساری آبادی ہندو یا بدھ مت پر مشتمل تھی۔ احمد بن ابو بکر کوفی کی شہرۂ آفاق کتاب ''چچ نامہ'' میں ملتان پر عربوں کے حملے اور حالات کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ کئی واقعات کے علاوہ یہاں کے مشہور مندر کے بارے میں ایک دلچسپ حوالہ ملتا ہے۔ چچ نامہ کی رو سے:

> ''جب محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے ملتان فتح کیا تو اسے بتایا گیا کہ پرانے وقتوں میں ملتان شہر کے سردار (گدی نشین) نے ایک خزانہ دفن کیا تھا۔ ملتان کے مشرق میں ،سوگز مربع پر بنائے گئے ایک مندر کے نیچے ایک کمرے میں پچاس تانبے کے مٹکے دفن کیے گئے تھے، جو سونے سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کمرے سے اوپر ایک سرخ رنگ کا بت مندر کے اندر رکھا ہوا ہے اور تالاب کے چاروں طرف درخت ہیں۔''

کہا جاتا ہے کہ جب محمد بن قاسم رحمہ اللہ وہاں گئے تو انھوں نے وہاں ایک بت دیکھا

جس کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے عقیق کے پتھر جڑے ہوئے تھے، انھوں نے وہاں کھدائی کروائی تو تیرہ ہزار دوسو من سونا نکلا۔ سونے کی فراوانی کی وجہ سے عربوں نے ملتان کو بیت الذہب (سونے کا گھر) بھی کہا ہے۔ ۱۳۳۴ء میں ابن بطوطہ ''اچ شریف'' سے ہوتا ہوا ملتان آیا، اس کے مشاہدات بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

عالمی شہرت یافتہ جغرافیہ دان ''ابو ریحان البیرونی'' جنھوں نے ۱۰۱۱ء کے لگ بھگ ملتان میں کچھ دن قیام کیا، لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے جب ملتان فتح کیا تو انھوں نے مندر کے قریب ایک مسجد بنوائی لیکن جب قرامطیوں نے ملتان پر قبضہ کیا تو انھوں نے اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اس کے پجاریوں کو قتل کیا۔ قرامطیوں نے علیحدہ ایک مسجد بنوائی اور محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی مسجد کو بنو امیہ کی یادگار سمجھ کر شہید کر دیا۔ سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے ان میں سے دو حملے ملتان پر کیے، جہاں اس زمانے میں قرامطیوں کی حکومت تھی جو اسماعیلی (آغا خانی) عقائد کے حامل تھے۔ موجودہ لوہاری گیٹ چوک میں غزنوی نے اسماعیلیوں کا بے دریغ قتل عام کیا، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں تھامی ہوئی تھیں اور شام کو تلواروں کے دستے پر ان کے ہاتھوں کی انگلیاں خون جمنے کی وجہ سے جم گئیں۔ تب شاہی طبیبوں نے گرم پانی ڈال کر دستے سے انگلیاں جدا کیں۔ ۱۰۰۵ء میں قرامطیوں کا قلع قمع کرنے کے بعد محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی تعمیر کردہ مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔

بی بی پاک دامن:

گزشتہ اوراق میں چند بڑے بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی بے شمار لوگ ہیں مگر سردست جو معروف ہیں ان میں ایک بی بی پاک دامن عرف پاک مائی ہیں، جن کے نام کا قبرستان سٹی ریلوے سٹیشن کے پاس موجود ہے۔ ان کی کرامت مشہور ہے کہ جو حاملہ عورت بی بی پاک دامن کی درگاہ کے اندر قدم رکھے تو اگر اس حاملہ کے پیٹ میں لڑکا ہو تو

بی بی اتنی پردہ دار ہے کہ اس حاملہ عورت کے پیٹ سے لڑکا دربار میں قدم رکھتے ہی باہر نکل آئے گا، یعنی بی بی اندر داخل نہیں ہونے دے گی۔ اب کوئی سوچے کہ کیا بی بی کی نماز جنازہ مردوں نے نہیں پڑھی؟ اور قبر میں دفن کر کے اوپر گنبد اور بجلی کا بندوبست کیا عورتوں نے کیا تھا؟ اسی طرح کا ایک دربار لاہور میں بھی ہے۔ اس کی پاک دامنی کے قصے بھی بہت مشہور ہیں اور یہاں بھی عورتیں ہی خاص طور پر جاتی ہیں۔ دربار کے اردگرد بیبیوں کی پردہ داری اور غیرت کے ایسے ایسے من گھڑت قصے مشہور ہیں کہ آدمی سن کر حیران رہ جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ یہاں مدفون بیبیاں اس قدر پردہ دار ہیں کہ وہ اپنے مزار کے پاس کسی ایسے ویسے آدمی کو پھٹکنے بھی نہیں دیتیں، جبکہ اصل صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے کہ یہ علاقے جرائم، فحاشی، عریانی اور جسم فروشی کے اڈے بن چکے ہیں۔

حافظ جمال اللہ ملتانی:

ایک اور بزرگ حافظ جمال اللہ ملتانی ہیں، جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے نماز پڑھانے کے بعد جب دائیں طرف سلام پھیرا تو اس طرف والے لوگ حافظ قرآن بن گئے اور جب بائیں طرف سلام پھیرا تو اس طرف والے ناظرہ قرآن پڑھے ہوئے بن گئے۔

ننگے ولی:

ایک اور بزرگ بابا قمرالدین گزرے ہیں، جنھوں نے ننگے رہ کر فحاشی پھیلانے کا کردار ادا کیا مگر مریدوں نے اس پر بھی ولایت کا پردہ تان کر سیکس پھیلانے کا خوب دفاع کیا۔

بہرحال وہ بزرگ جس دکان سے بھی گزرتے دکاندار اپنی تجوری کا منہ بابا جی کے لیے کھول دیتا اور بابا جی جتنے جی میں آتے، پیسے نکال کر سڑک پر پھینک دیتے اور لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے کہ اب تجوری میں خوب برکت ہوگی۔

بابا بگے شاہ:

چونگی نمبر ۱۴ پر ایک اور عیسائی ملنگ جو ہمیشہ ننگ دھڑنگ رہتا تھا اور اس کا ختنہ بھی نہیں ہوا تھا، عورتوں کو ننگی گالیاں ارشاد فرماتا لیکن تھا زمانے کا ولی۔ اس کے تھوک اور سگریٹ کے بچے ہوئے ٹکڑے پر عورتیں دیوانہ وار پل پڑتیں۔ چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب ملنگ ''بابا بگا'' نے قضائے حاجت کی تو اس کے بعد دو عورتیں اس کی غلاظت اٹھا کر جا رہی تھیں تو ان دونوں میں سے ایک عورت دوسری سے کہہ رہی تھی:

''میں نہیں بلکہ تو زیادہ (تبرک) اٹھا کر جا رہی ہے۔''

غور کریں کہ جب قوم ایک اللہ کا دروازہ چھوڑے گی تو پھر غلاظت چاٹنے کی نوبت نہ آئے گی تو اور کیا ہو گا!!

قارئین کرام! اب ہم نے مدینۃ الاولیاء گھوم لیا تھا، ولیوں کو دیکھ لیا تھا...... جیسا کہ سنتے آئے ہیں کہ یہ جو قبروں اور مزاروں پر مجاور بن کر بیٹھے ہیں ان کا معاملہ خراب ہے وگرنہ جو بزرگ مدفون ہیں یہ تو واقعی بڑے پہنچے ہوئے سچے اولیائے کرام ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ بچپن میں تو ہم نے بھی دل کو یہی کہہ کر تسلی دی تھی مگر اب دل نہیں مانتا تھا...... چنانچہ میں نے امیر حمزہ سے کہا کہ ترا دل نہیں مانتا تو پھر چل ذرا تحقیق کے میدان میں، لائبریریوں کے ہالوں میں...... چنانچہ امیر حمزہ جب اس میدان میں داخل ہوا تو دل کی بات بھی ماننا پڑی اور قادری صاحب کا جواب بھی آ گیا کہ انگریز کا ایجنٹ کون تھا؟ قبروں پر خلیفہ بننے والے یا سرحد میں جہاد کر کے امیر المومنین کہلانے والے؟

تقدس کا پردہ اٹھتا ہے:

لاہور کا جناح باغ، جس کا پرانا انگریزی نام انگریز گورنر لارنس کے نام پر تھا، اس میں ایک منٹگمری ہال ہے کہ جسے صدر ضیاء الحق کے دور میں لائبریری بنا دیا گیا تھا، مجھے جب بھی کوئی تحقیق کرنا ہوتی ہے تو جناب محترم عبدالجبار شاکر صاحب جو پنجاب کی لائبریریوں کے

ڈائریکٹر ہیں، ان کے حوالے سے یا پھر اپنے انتہائی محترم دوست احسن صاحب کے حوالے سے اس لائبریری میں پہنچ جاتا ہوں۔ اس بار مجھے خانقاہی گدی نشینوں کا نامہ اعمال کہ جو انگریز دور میں مرتب ہوا، اس کی تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ بھائی احسن صاحب نے مجھے بتلایا کہ انگریز کے صد سالہ ریکارڈ کو ہم نے چالیس پچاس چھوٹی چھوٹی سی سلائیڈوں میں بند کر دیا ہے۔ اس طرح سے ایک سلائیڈ میں پانچ صد صفحات کے رجسٹر سما جاتے ہیں اور چالیس پچاس سلائڈوں کی ایک چھوٹی سی ڈبیا بنتی ہے۔ اس ایک سلائیڈ کو سکرین پر آپ ملاحظہ کرتے رہیں اور انگریز کا ریکارڈ دیکھتے رہیں۔ میں اس سارے نظام کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

انڈیا آفس لائبریری، علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ اور ولی خان:

پھر معلوم ہوا کہ انگریز دور کا اس سے بھی بڑا ریکارڈ ''انڈیا آفس لائبریری لندن'' میں ہے۔ خان عبدالولی خان جب کبھی اپنے پاپا باچا خان کے حوالے سے انگریز دور کے ریکارڈ کو کھنگالنے کا ارادہ کرتے ہیں تو لندن پہنچ جاتے ہیں۔ انھوں نے ایک بار علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ کو کہ جو اکثر اپنی تقریروں میں شہدائے بالاکوٹ اور تحریک مجاہدین کا ذکر کیا کرتے تھے، انھیں کہا:

> ''اگر آپ لندن جا کر انڈیا آفس لائبریری میں تحقیق کریں تو آپ کے بڑوں نے انگریزوں کے خلاف جو جہاد کیا اس کی عجیب وغریب تاریخ دیکھنے کو ملے۔''

یقیناً اگر وہاں جا کر تحقیق کی جائے تو مجاہدین کے ساتھ ساتھ ان گدی نشینوں کا کردار بھی سامنے آئے کہ جنھوں نے انگریز کا ساتھ دیا اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کو وہابی کہہ کر بدنام کیا اور انگریز کو سو سالہ حکومت کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

قارئین کرام! فی الحال میرے ہاتھ میں ایک ایسی کتاب ہے جو انگریز کے اسی ریکارڈ سے متعلق ایک صحافی نے مرتب کی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ''سیاست کے فرعون۔'' اب آپ ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ یہ آج کے گدی نشین جو بے سمجھ لوگوں کے مشکل کشا بنے ہوئے

ہیں ان کے بڑے کیا تھے؟ ان کا کردار کیا تھا اور درباروں کے نام پر انھوں نے کیسے جاگیریں حاصل کیں......؟ اور یہ بارش کا ابھی پہلا قطرہ ہے، جب کبھی اللہ نے موقع دیا تو ہم ان شاء اللہ لندن کی انڈیا آفس لائبریری سے وہابی مجاہدین کا کردار بھی پیش کریں گے اور درباری اور خانقاہی سجادہ نشینوں کا بھی...... میں سمجھتا ہوں یہ اہل حدیث پر ایک قرض ہے جو ہمیں تاریخ کے ریکارڈ سے دلائل کے میدان میں چکانا ہے۔ (ان شاء اللہ وباللہ التوفیق!)

بزرگ اور ان کی گدیاں

(تاریخ کے آئینہ میں)

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے. پاکستان میں ملتان شہر ''ولیوں کا شہر'' مشہور ہے اور اس شہر میں سب سے بڑے ولی حضرت بہاؤالدین زکریا اور ان کے پوتے شاہ رکن عالم ہیں، حضرت بہاؤالدین کے والد شیخ محمد غوث ''کوٹ کروڑ'' کے قاضی تھے اور یہ علاقہ انھیں بطور جاگیر ملا تھا...... اسی طرح حضرت شاہ رکن عالم نے اپنے دادا بہاول حق کا عرس اپنی وفات سے تین ماہ قبل منعقد کروایا...... اور پھر حضرت رکن عالم کا مقبرہ دہلی کے بادشاہ فیروز خان تغلق نے اپنی نگرانی میں تعمیر کروایا۔

قارئین کرام! یہ تاریخی باتیں جو محکمہ اوقاف کی طرف سے شائع شدہ پمفلٹوں اور دیگر کتابوں میں تاریخی حوالوں کے ساتھ لکھی گئی ہیں، ثابت کرتی ہیں کہ ان روحانی خانقاہوں کی بنیاد ہی جاگیریں، مقبرے اور عرسوں کے انعقاد ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مضمون اس قدر طوالت کا متحمل نہیں، وگرنہ ہم تفصیل کے ساتھ ان گدی نشینوں اور خانقاہی بزرگوں کے بارے میں عرض کرتے...... بہرحال حضرت بہاول حق کا یہ خاندان جو اپنے آپ کو ''مخدوم'' کہلواتا ہے یعنی وہ خاندان کہ جس کے ہر فرد کی خدمت کی جائے...... مگر یہ خاندان ماضی میں خود کس کی خدمت میں مصروف رہا اور ان کے مخدوم کون تھے؟ ہم یہ تفصیل اپنے قریب ترین دور یعنی سکھوں کی تاریخ سے شروع کرتے

ہیں۔ ''سیاست کے فرعون'' نامی کتاب کے مصنف جناب وکیل انجم لکھتے ہیں:

مخدوم شاہ محمود اور رنجیت سنگھ:

''سکھوں کے ابتدائی دور میں مخدوم شاہ محمود اس خاندان کا سربراہ (گدی نشین) تھا۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کے باقاعدہ برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی مخدوم کافی زمینوں کے مالک بن گئے تھے اور ان کا شمار ملک کے امیر ترین خاندانوں میں ہوتا تھا۔ جب ۱۸۱۹ء میں مہاراجا رنجیت سنگھ نے ملتان کو فتح کیا تو انھوں نے مخدوموں کی عزت و تکریم کے پیش نظر ساڑھے تین ہزار روپے مالیت کی جاگیر اس خاندان کو عطا کی۔''

قارئین کرام! غور کیجیے! یہ گدی نشین اولیائے کرام اس دور میں سکھوں سے جاگیریں حاصل کر رہے ہیں جس دور میں سید احمد اور شاہ اسماعیل رحمہ اللہ سکھوں سے جہاد کرنے میں مصروف تھے، حتیٰ کہ ۱۸۴۷ء تک یہ اولیائے کرام سکھوں کی خدمات بجا لاتے رہے، مگر اس دوران شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سکھوں کے خلاف سرحد کی پہاڑیوں میں جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ ۱۶ مئی ۱۸۳۱ء کو وہ بالاکوٹ میں شہید ہو کر سرخرو ہو گئے۔

مخدوم شاہ کی انگریز کے لیے جاسوسی:

پھر جب سکھ کمزور ہوئے تو یہی گدی نشین اولیاء جو سکھوں کے وفادار تھے، اب انھوں نے پینترا بدلا اور سکھوں کو چھوڑ کر انگریزوں کے حاشیہ نشین بننے لگے۔ وکیل انجم کی تحریر ملاحظہ ہو:

''۴۹۔۱۸۴۷ء میں جب سکھوں کی قوت لڑکھڑانے لگی تو انگریزوں نے مطلع سیاست پر یونین جیک گاڑ دیا تو مخدوم شاہ محمود نے اس زمانے میں سرکار عالیہ کو جو خفیہ خبریں دیں، وہ انتہائی مفید ثابت ہوئیں۔ جب انگریز نے پنجاب پر پوری طرح قبضہ کر لیا تو انھوں نے مخدوم شاہ محمود کو اعلیٰ خدمات کے معاوضے میں ایک

ہزار مالیت کی مستقل جاگیر کے علاوہ سترہ سو پنشن دی۔ اس کے علاوہ ایک پورا گاؤں ان کے حوالے کیا۔''

جناب قادری صاحب!:

اب ذرا اپنے اولیائے کرام کے کارنامے سنتے جایے اور سوچتے جایے کہ سکھوں اور انگریزوں کا ایجنٹ کون تھا؟ اہل حدیث یا مزاروں کے اولیائے کرام؟!! اب سنیے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا حال کہ اس وقت آپ کے بزرگوں نے کیا کیا گل کھلائے تھے اور کس کس طرح مفادات سمیٹے تھے؟ ''سیاست کے فرعون'' کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

شاہ محمود قریشی کی طرف سے مجاہدین کے خلاف انگریزوں کی مدد:

''۱۸۵۷ء کے خونی ہنگاموں میں جب ہندوستان کے کچلے ہوئے عوام نے برطانوی استعمار کے خلاف زندگی اور موت کی حدود کو توڑتے ہوئے آخری جدوجہد کی تو اس نازک مرحلے پر مخدوم شاہ محمود نے سرکار دولت مدار کی مستحسن خدمت انجام دی۔ وہ کمشنر کو ہر ایک قابل ذکر واقعہ کی اطلاع بڑی مستعدی سے دیتے رہے۔ اپنی وفاداری کا مزید ثبوت دینے کے لیے انھوں نے سرکاری فورس میں بیس ہزار سوار اور کافی پیادے بھینٹ چڑھائے۔ سرکار کے اس یار وفادار نے اس امداد کے علاوہ پچیس سواروں کی ایک پلٹن بنا کر کرنل ہملٹن کے ہمراہ باغیوں (مجاہدین) کی سرکوبی کے لیے روانہ کی اور خود لڑائیاں لڑیں۔''

غداری کرنے پر انگریز کی نوازشیں اور عطائیں:

''مخدوم شاہ محمود کی اس عملی امداد نے انگریزوں کی قوت بڑھانے میں اتنا کام نہیں کیا جتنا کہ ایک مذہبی راہ نما کی حیثیت سے ان کے ساتھ تعاون نے اثر کیا۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ایک بڑا مذہبی راہ نما انگریزوں کی امداد کر رہا ہے تو ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے، جس کا تحریک آزادی پر بہت برا اثر پڑا۔ مخدوم

شاہ محمود قریشی کے مریدوں نے اپنے پیر کے حکم کے مطابق جنگ آزادی میں قطعاً کوئی حصہ نہ لیا۔

ان خدمات جلیلہ کے معاوضے میں تیس ہزار روپے کی امداد مزاروں کے لیے اور اس کے علاوہ اٹھارہ سو روپے مالیت کی جاگیر اور آٹھ کنوؤں پر مشتمل زمین بھی سرکار برطانیہ کی طرف سے دی گئی۔''

جب انگریز سرکار نے سجادہ نشین کی دستار بندی کی!!:

''شاہ محمود قریشی ۱۸۶۹ء میں فوت ہوگئے۔ ان کی موت کے بعد ان کا بیٹا بہاول بخش حضرت شاہ رکن عالم اور حضرت بہاؤالدین کے مزاروں کا سجادہ نشین بنا۔ بہاول بخش کی دستار بندی ڈپٹی کمشنر کے ہاتھوں بڑی شان و شوکت سے ہوئی۔''

قارئین کرام!...... اور جناب قادری صاحب! آیئے! ابھی اور آگے چلیے، جب انگریزوں اور افغانوں کے مابین جنگ ہوئی اور اس جنگ میں انگریزوں کو عبرتناک شکست ہوئی تو تب بھی ہمارے اہل حدیث مجاہدین...... پاکستان کے پہاڑوں میں افغانوں کے ہمراہ ہو کر انگریزوں سے لڑ رہے تھے اور آپ کے اولیائے کرام تب بھی انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس غداری اور مسلم کشی کے عوض وہ انگریز سے یوں اپنی خدمات رذیلہ کا صلہ وصول کر رہے تھے:

''۱۸۸۰ء میں جب بہاول بخش کی افغان جنگ میں پیش کی گئی خدمات کو سراہنے کے لیے لاہور میں ایک دربار لگایا گیا، نقل و حمل کے لیے انھوں (حضرت بہاول بخش قدس سرہ) نے اونٹوں کا ایک دستہ بھی افغان جنگ میں انگریز سرکار کی خدمت میں حاضر کیا تھا، انھوں نے افغان جنگ میں اپنی تمام خدمات انگریز سرکار کے حوالے کر دی تھیں۔ ان خدمات کے صلہ میں بہاول بخش کو ۱۸۷۷ء میں آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور کچھ عرصہ بعد وہ ملتان میونسپل کمیٹی کے ممبر

مقرر ہوئے اور اس کے کچھ عرصہ بعد صوبائی درباری نشست بھی الاٹ ہو گئی۔"

موسیٰ پاک شہید کے گیلانی گدی نشین :

"اس خاندان کے گدی نشینوں کو مغلوں کے دور میں جاگیریں ملتی رہیں...... اسی طرح جب ۱۸۴۸ء میں میجر ہربرٹ ایڈورسل نے ملتان فتح کیا تو اس مزار کے گدی نشین کو مزاروں کی حفاظت اور تعاون کے صلہ میں ایک سند عطا کی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مخدوم سید نور شاہ نے انگریز کا نہ صرف ساتھ دیا بلکہ ان کی جو مدد کی تھی انگریز سرکار اس سے بہت خوش تھی۔ ۱۸۵۹ء میں انھیں سند عطا کی گئی جس میں ۱۸۵۷ء کی خدمات کو سراہا گیا، علاوہ ازیں انھیں ۳۰۰ روپے کی خلعت بھی دی گئی۔"

مخدوم صدرالدین گیلانی کو سلور جوبلی میڈل کیوں دیا گیا؟:

"جنگ عظیم میں (جو انگریزوں نے ترکی مسلمانوں کے خلاف لڑی) گیلانی خاندان کا عملی تعاون انگریزوں کے لیے مشکل وقت میں غنیمت سے کم نہ تھا۔ مخدوم صدرالدین نے سلور جوبلی فنڈ میں ۵۱۱ روپے جمع کرائے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں انھیں سلور جوبلی میڈل انعام دیا گیا...... (ازاں بعد) انگریز نے سید شیر شاہ گیلانی کو تلوار، سونے کی گھڑی اور خان بہادر کا خطاب بھی دیا۔"

ملتان کے گردیزی گدی نشین :

یہ خاندان بھی کسی سے کم نہ تھا، مصنف "سیاست کے فرعون" لکھتا ہے:

"شیخ محمد یوسف نے جنگ عظیم میں انگریزوں کی مشکل وقت میں مدد کی تھی، انھیں جنگ عظیم کا اعزازی میڈل بھی دیا گیا۔

۱۸۸۹ء تک مخدوم شیخ محمد راجو گردیزی مزاروں کے محافظ تھے۔ انھیں انگریز کے زمانہ میں ڈویژنل درباری اور آنریری مجسٹریٹ کی حیثیت حاصل تھی اور وہ تیں

سال تک میونسپل کمیٹی ملتان اور ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے ممبر رہے۔ وہ ۱۹۱۰ء میں میونسپلٹی کی ممبرشپ سے مستعفی ہوگئے۔ انھیں ۱۰۰ روپے مالیت کی جاگیر اور چناب کالونی میں سات مربع اراضی الاٹ کی گئی۔ وہ ۱۹۲۸ء میں فوت ہوئے۔''

قارئین کرام! اور اب یہ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کہ برصغیر میں جن کی برکت سے اسلام پھیلا ہے، ان کی انگریز نوازی اور خوشامد کی وہ دستاویز ملاحظہ فرمائیں جو انگریز کے ریکارڈ میں محفوظ ہے، جسے ۱۱ اگست ۱۹۹۱ء کو روزنامہ ''پاکستان'' اپنے صفحات پر شائع کرچکا ہے اور ''سیاست کے فرعون'' میں بھی یہ دستاویز موجود ہے۔ تو ذرا اس سے آگے بڑھیے اور دیکھیں کہ پیروں اور پیر زادوں کی یہ جاگیریں کس بات کا صلہ ہیں؟ ایک ہی جواب ہے کہ یہ لوگ بڑے بڑے درباروں اور خانقاہوں میں جو کچھ سمیٹے بیٹھے ہیں وہ تمام تر انگریز پرستی اور انگریز نوازی کی یادگار ہے۔ آخر ان پیر زادوں اور سجادہ نشینوں کی زمینداریوں کو کس اصل کی بنا پر جائز تسلیم کیا جاسکتا ہے جنھوں نے جنرل ڈائر کے قتل عام پر خاموشی اختیار کرلی، سر مائیکل اور ڈوائی کو سپاسنامہ پیش کیا، جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی فتح کی دعائیں مانگیں۔ شاہ جارج کو ظل اللہ (اللہ کا سایہ) کہا۔ مسلمان سپاہیوں کو ترکوں سے لڑائی کے لیے پیش کر دیا۔ پنجاب کے مشائخ علماء اور سجادہ نشینوں کی طرف سے پیش کردہ ''دعا نامہ'' بطور ایڈریس پر ذرا غور کریں۔

سجادہ نشینوں کی انگریز کے حضور انتہائی رذیل خوشامد:

سجادہ نشین کی طرف سے انگریز کو پیش کیے گئے سپاس نامہ میں کچھ اس طرح نگریز کو مخاطب کیا گیا ہے:

''حضور والا!

ہم خدم الفقراء سجادہ نشیناں و علماء مع متعلقین شرفاء الوقت مغربی حصہ پنجاب نہایت ادب اور عجز و انکسار سے یہ ایڈریس لے کر خدمت عالی میں حاضر ہوئے

ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ حضور انور جن کی ذات عالی صفات میں قدرت نے دلجوئی، ذرہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے، ہم خاکساران باوفا کے اظہار دل کو توجہ سے سماعت فرما کر ہمارے کلاہ فخر کو چار چاند لگا دیں گے۔

سب سے پہلے ہم ایک دفعہ پھر حضور والا کو مبارکباد کہتے ہیں۔ جس عالمگیر اور خوفناک جنگ کا آغاز حضرت کے عہد حکومت میں ہوا، اس نے حضور ہی کے زمانے میں بخیر و خوبی انجام پایا اور یہ بابرکت و باحشمت سلطنت جس پر پہلے بھی سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا اب آگے سے زیادہ مستحکم اور آگے سے زیادہ روشن اور اعلیٰ عظمت کے ساتھ جنگ سے فارغ ہوئی۔ جیسا کہ ''شہنشاہ معظم'' نے اپنی زبان مبارک'' سے ارشاد فرمایا ہے، واقعی برطانوی تلوار اس وقت نیام میں داخل ہو گی جب دنیا کی آزادی، امن و امان اور چھوٹی چھوٹی قوموں کی بہبودی مکمل طور پر حاصل ہو کر بالآخر سچائی کا بول بالا ہو گا۔ حضور کا زمانہ ایک نہایت نازک زمانہ تھا اور پنجاب کی خوش قسمتی تھی کہ ان کی عنان حکومت اس زمانے میں حضور جیسے ''صاحب استقلال، بیدار مغز اور عالی دماغ'' حاکم کے مضبوط ہاتھوں میں رہی، جس سے نہ صرف اندرونی امن ہی قائم رہا بلکہ حضور کی دانشمندانہ رہنمائی میں پنجاب نے اپنے ایثار و وفاداری اور جاں نثاری کا وہ ثبوت دیا جس سے ''شمشیر سلطنت'' کا قابل فخر و عزت لقب پایا۔ پھر ان کا معراج، صلیب احمر کی اعجاز نما دستگیری قیام، امن کی تدبیر، تعلیم کی ترقی سب حضور ہی کی کاوشیں ہیں اور حضور ہی ہیں جنھوں نے ہر موقع اور ہر وقت پنجاب کی خدمات وحقوق پر زور دیا، صرف جناب والا ہی کو ہماری بہبود مطلوب نہ تھی بلکہ صلیب احمر (Red cross) و تعلیم نسواں کے لیے نیک کام میں حضور کی ہمدم و ہمراز جنابہ لیڈی اوڈوائر صاحبہ نے جن کو ہم ''مروت کی زندہ تصویر'' سمجھتے ہیں، ہمارا ہاتھ بٹایا اور ہندوستانی

مستورات پر احسان کر کے ثواب دارین حاصل کیا۔" ہماری ادب سے التجا ہے کہ وہ ہمارا دلی شکریہ قبول فرماویں۔

حضور انور! جس وقت ہم اپنی آزادیوں کی طرف خیال کرتے ہیں، جو ہمیں سلطنت برطانیہ کے طفیل حاصل ہوئیں، جب ہم ان جہازوں کو سطح سمندر پر اٹھکیلیاں کرتے دیکھتے ہیں جن کے طفیل ہمیں اس مہیب جنگ میں امن و امان حاصل رہا ہے، جب ہم تار برقی کے کرشموں پر علی گڑھ و اسلامیہ کالج لاہور و پشاور جیسے اسلامی کالجوں اور دیگر قومی درسگاہوں پر نظر ڈالتے ہیں اور پھر جو ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے ہیں، جس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں تو ہمیں ہر طرف احسان ہی احسان دکھائی دیتے ہیں ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را بہ کسے کارے نباشد

باوجود فوجی قانون کہ خود فتنہ پردازوں کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کے مذہبی احساس کا ہر طرح سے لحاظ رکھا گیا۔ شب برأت کے موقع پر ان کو خاص رعایتیں دی گئیں۔ رمضان المبارک کے واسطے حالانکہ اہل اسلام کی درخواست یہ تھی کہ فوجی قانون ساڑھے گیارہ بجے شب سے دو بجے تک محدود کیا جاوے لیکن حکام سرکار نے یہ وقت بارہ بجے سے دو بجے تک کر دیا۔ مسجد شاہی جو فی الاصل قلعہ کے متعلق تھی اور جو ابتدائی عملداری سرکار ہی میں واگزار ہوئی تھی۔ اہالیان لاہور نے اس مقدس جگہ کو ناجائز سیاسی امور کے واسطے استعمال کیا، جس پر متولیان مسجد جو خود مفسدہ پردازوں کو روک نہیں سکتے تھے، سرکار سے امداد چاہی۔ یہی وجہ تھی کہ سرکار نے اس کا ایسا ناجائز استعمال بند کر دیا۔ ہم تہ دل سے مشکور ہیں کہ حضور والا نے پھر اس کو واگزار فرما دیا۔ سرکار نے حج کے متعلق جو مہربانی کی ہے، ہم اس سے نا آشنا نہیں اور مشکور ہیں

ہم سچ عرض کرتے ہیں کہ جو ''برکات'' ہمیں اس سلطنت کی بدولت حاصل ہوئیں اگر ہمیں عمر خضر بھی نصیب ہو تو بھی ہم ان احسانات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کے لیے ''سلطنت برطانیہ ابر رحمت'' کی طرح نازل ہوئی اور ہمارے ایک بزرگ نے جس نے پہلے زمانہ کی خانہ جنگیاں، خونریزیاں اور بدامنیاں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں، اس سلطنت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ؎

دور ہوئی بد نظمیاں جب دور انگریزی عمل آیا
بجا آیا ، بہ استحقاق آیا ، بر محل آیا

ہم کو وہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا جب ترکوں نے ہمارے مشورہ کے خلاف کوتاہ اندیشی سے ہمارے دشمنوں کی رفاقت اختیار کی تو ہمارے شہنشاہ نے ازراہ کرم ہم کو یقین دلایا کہ ہمارے مقدس مقامات کی حرمت میں سرمو فرق نہیں آئے گا۔ اس ''الطاف خسروانہ'' نے ہماری ''وفا'' میں نئی روح پھونک دی۔ ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں) ہم ان احسانوں کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ اب اس جنگ عظیم کے خاتمہ پر صلح کانفرنس میں سلطنت ترک کی نسبت جلد فیصلہ ہو جانے والا ہے۔ ممکن ہے یہ فیصلہ مسلمانوں کی امیدوں کے خلاف ہو۔ ہم بخوبی جانتے ہیں، اس فیصلہ میں سرکار برطانیہ اکیلی مختار کار نہیں ہے بلکہ بہت سی دوسری طاقتوں کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ شہنشاہ معظم کے وزراء جو کوششیں ترکی کے حق میں کرتے رہے ہیں، ہم ان کے واسطے ان کے بہر حال مشکور ہیں۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ جنگ مذہبی اغراض پر مبنی نہ تھی اور اپنے اپنے عمل کا اور اس کے نتائج کا ہر ایک خود ذمہ دار ہے...... ؎

رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

مگر ہمیں پوری توقع ہے کہ گورنمنٹ اس بات کا خیال رکھے گی کہ مقامات مقدسہ کا اندرونی نظم ونسق مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں رہے اور ہم حضرت سے درخواست کرتے ہیں کہ جب حضور وطن کو تشریف لے جاویں تو اس نامور تاجدار ہندوستان کو یقین دلائیں کہ ''چاہے کیسا ہی انقلاب کیوں نہ ہو، ہماری وفا داری میں سرموفرق نہ آیا ہے اور نہ آسکتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اور ہمارے پیروان اور مریدان فوجی وغیرہ جن پر سرکار برطانیہ کے بے شمار احسانات ہیں، ہمیشہ سرکار کے حلقہ بگوش اور جاں نثار رہیں گے۔''

ہمیں نہایت رنج اور افسوس ہے کہ ناتجربہ کار ونوجوان امیر امان اللہ خان والیٔ کابل نے کسی غلط مشورہ سے عہد ناموں کے اور اپنے باپ دادا کے طرز کی خلاف ورزی کرکے اللہ تعالیٰ کے صریح حکم ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ...... اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾(یعنی وعدے کا ایفا کرو...... ضرور وعدے کے متعلق پوچھا جائے گا) کی نافرمانی کی۔ ہم جناب والا کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم افغانستان کے اس طرز عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اہالیان پنجاب احمد شاہ کے حملوں اور نادر شاہی قتل و غارت گری کو نہیں بھول سکتے۔ ہم اس غلط اعلان کی، جس میں اس نے سراسر خلاف واقعہ لکھا ہے کہ اس سلطنت کی مذہبی آزادی میں خدانخواستہ کسی قسم کی کوئی رکاوٹ واقع ہوئی، زور سے تردید کرتے ہیں۔ امیر امان اللہ خان کا خاندان سرکار انگلشیہ ہی کی بدولت بنا اور اس کی احسان فراموشی کفران نعمت سے کم نہیں۔

ہم کو ان کوتاہ اندیش دشمنان ملک پر بھی سخت افسوس ہے، جن کی سازش سے تمام ملک میں بدامنی پھیل گئی اور جنھوں نے اپنی حرکات ناشائستہ سے پنجاب کے نیک نام پر دھبہ لگایا۔ مقابلہ آخر مقابلہ ہی ہے۔ ہم حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان گمراہ لوگوں کی مجنونانہ وجاہلانہ حرکات کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

کیونکہ ہمارے قرآن کریم میں یہی تلقین کی گئی ہے ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ (دنیا میں فساد اور بدامنی مت پیدا کرو) اور ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (یعنی بے شک اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا)۔

حضور والا! اگرچہ آپ کی مفارقت کا ہمیں کمال رنج ہے۔

سر غم سے کھچے کیوں نہ سرِ دار ہمارا
لو ہم سے چھٹا جاتا ہے سردار ہمارا

لیکن ساتھ ہی ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضور کے جانشین سر ایڈورڈ مکلیکن بالقابہ جن کے نام نامی سے پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے اور جن کا حسن اخلاق رعایا نوازی میں شہرۂ آفاق ہے اور جو ہمارے لیے حضور کے پورے نعم البدل ہیں، ان کا ہم دلی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کی خدمت والا میں یقین دلاتے ہیں کہ ہم ''بمثل سابق اپنی جوش عقیدت و وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں گے۔''

حضور اب وطن کو تشریف لے جانے والے ہیں، ہم دعا گویان جناب باری میں دعا کرتے ہیں کہ حضور مع لیڈی صاحب و جمیع متعلقین مع الخیر اپنے پیارے وطن پہنچیں۔ تا دیر سلامت رہیں اور وہاں جا کر ہم کو دل سے نہ اتار دیں۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد......''

(سپاس نامہ کی عبارت ختم ہوئی)

یہ سپاس نامہ بطور ایڈریس پنجاب کے علماء، مشائخین اور بڑے بڑے اولیائے کرام کے سجادہ نشینوں نے ۱۹۱۹ء میں اپنے دستخط کر کے پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ برطانوی سامراج کا نمائندہ یہ گورنر وہی ذات شریف ہیں جن کے حکم سے بیساکھی کے موقع پر جلیانوالہ باغ امرتسر میں جنرل ڈائر نے ہنستے ہوئے عوام کو بلا اشتعال گولیوں کا نشانہ بنایا اور جب پنجاب کے عوام نے اس ظلم و بربریت کے خلاف آواز بلند کی تو سر مائیکل اوڈوائر نے امرتسر لاہور اور گوجرانوالہ وغیرہ میں مارشل لاء

نافذ کر دیا اور اس کی آڑ میں پنجاب کے عوام پر جو مظالم توڑے گئے ان پر نہ صرف پورا برصغیر سراپا احتجاج بن گیا بلکہ اس ظلم و تعدی کی بازگشت برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ایوانوں تک سنی گئی۔

جس وقت ہمارے قابل احترام مشائخین، علمائے کرام اور سجادہ نشین صاحبان نہ صرف گورنر پنجاب بلکہ اس کی بیوی تک کی ''خدمات جلیلہ'' میں رطب اللسان تھے اور قرآنی آیات کے حوالے سے انگریز حکمرانوں کو اسلامیان ہند کے لیے باعث رحمت قرار دے رہے تھے، وہ دور برصغیر میں سیاست کے حوالہ سے نہایت طوفانی دور تھا۔ یہ وہی دور تھا جب اسلامیان ہند تحریک خلافت میں جان و مال کی قربانیاں پیش کر رہے تھے مگر......صوفیائے عظام اور خانقاہی اولیائے کرام انگریز کے درباری بن کر اپنی قبوری خلافت کو پکا کر رہے تھے۔ انھیں مسلمانوں کی تحریک خلافت ۵۷ء کی جنگ آزادی، افغانوں کی انگریز سے لڑائی اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے جہاد سے کیا تعلق؟

چنانچہ وکیل انجم صاحب کو اپنی کتاب میں لکھنا پڑا:

''ایک اور بڑے نواب کی وسیع و عریض جاگیر سید احمد بریلوی (شہید بالاکوٹ) علیہ الرحمۃ سے دغا کا صلہ ہے۔''

جی ہاں......ایک تو وہ صلہ ہے جو انگریز نے جاگیروں، القابات، تعریفی اسناد، نقد رقوم اور چھوٹے موٹے سیاسی عہدوں کی شکل میں دیا اور ایک وہ صلہ ہے کہ جسے وہ جاتے ہوئے اپنے ان پٹھوؤں کی شکل میں دے گیا کہ یہ لوگ آج تک اہل پاکستان کے سروں پر سیاسی اور مذہبی طور پر مسلط چلے آ رہے ہیں۔

احمد رضا اور انگریز سرکار کی حاشیہ برداری:

قارئین کرام! یہ ایک دلچسپ اتفاق ہے کہ بریلی شہر سے دو احمد اٹھے۔ ایک سید احمد تھے جو بالاکوٹ میں شہید ہوئے اور دوسرے احمد رضا خاں تھے کہ جن کے نام سے بریلوی

مذہب وجود میں آیا۔ یہ رضاخان بریلوی بھی انگریز کے قصیدہ گو تھے اور اس کا حق انھوں نے اس طرح ادا کیا کہ ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھ مارا جس کا عنوان رکھا ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام'' یعنی اکابرین کو ہندوستان کے دارالاسلام ہونے سے آگاہ کرنا تحریر کیا۔

اسی طرح انھوں نے ایک اور رسالہ انگریز کی ہم نوائی میں لکھا ''المحجة المو تمنة فی ایتہ الممتحنة'' میں صفحہ ۲۰۸ پر وہ جہاد کی واضح مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم مسلمانان ہند پر جہاد فرض نہیں اور جو اس کی فرضیت کا قائل ہے وہ مسلمانوں کا مخالف ہے اور انھیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔''

یاد رہے مرزا غلام احمد قادیانی بھی یہی کہتا تھا کہ ہندوستان میں جہاد فرض نہیں اور یہ کہ ہندوستان دارالاسلام ہے اور وہ بھی انگریز کا ایجنٹ تھا۔ غرض کوئی اپنی جھوٹی نبوت کے لیے کوشاں تھا اور کوئی اپنی قبوری خلافت قائم کر رہا تھا اور یہ وہ میدان تھا جس میں صرف سید احمد شہید، سید اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء رحمہم اللہ ڈٹے ہوئے تھے۔

سیاسی اور مذہبی الٰہ:

جناب وکیل انجم کی کتاب پر معروف صحافی ہفت روزہ زندگی کے ایڈیٹر جناب مجیب الرحمان شامی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''مجھے امید ہے کہ ''سیاست کے فرعون'' پڑھ کر جعلی خداؤں کے خلاف جدو جہد کا جذبہ پیدا ہوگا، کیونکہ یہاں بندگی سے تو بھلا نہیں ہوگا، ان خداؤں کے لیے تو محمود غزنوی کی ضرورت ہے۔''

یہ جعلی خدا کس طرح سے اپنی خدائی کرتے ہیں؟ اس کا مزید ہلکا سا عکس ملاحظہ کرنا ہو تو ہماری کتاب ''آسمانی جنت اور درباری جہنم'' کا مطالعہ ان شاء اللہ ممد و معاون ہوگا۔

قارئین کرام! اب ان جعلی خداؤں کا ایک اور انداز سے جائزہ لیں۔ پہلی بات تو یہ ہے

کہ یہ ملک کے چوٹی کے بڑے بڑے جاگیردار ہیں۔ اب ان کی جاگیروں میں جو لوگ بستے ہیں وہ ان کے مزارع ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مرید بھی۔ اب پاکستان میں جمہوری نظام ہے، ایک مذہبی اور دنیادار...... صاحب دربار گدی نشین اور جاگیردار...... جب ایم این اے اور ایم پی اے کا الیکشن لڑے گا تو بتلائیے! بھلا وہ کیونکر کامیاب نہ ہوگا؟ اور پھر کامیاب ہو کر یہی لوگ وزیر بنیں گے، یہی وزیر اعظم بنیں گے اور لوگوں کی قسمت سے کھیلیں گے۔ جمہوری میدان میں مقابلہ بھی ہوتا ہو تو ان کے خاندان میں آپس ہی میں مقابلہ ہوتا ہے۔ ہیر پھیر کر کے یہی لوگ ہیں جو ہر حکومت میں برسر اقتدار آتے ہیں۔ حکومت جمہوری ہو، فوجی ہو، مسلم لیگ کی ہو یا پیپلز پارٹی کی، اقتدار بہر حال انہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا۔

یہ گورمانی خاندان ہے، ضلع مظفر گڑھ میں ان کی خانقاہ ہے، جاگیریں انھوں نے انگریزوں سے حاصل کی ہیں، ملک کی سیاست پہ چھائے رہے ہیں۔

شاہ جیونہ اور رجوعہ خاندانوں پر انگریزی سرکار کی نوازشیں:

یہ جھنگ کا علاقہ ہے، اس علاقے میں شاہ جیونہ کے نام سے ایک دربار ہے۔ اس دربار کے حوالے سے یہاں سے زمیندار گھرانوں کی جاگیریں زیادہ تر سکھ عہد یا انگریز دور کی یادگاریں ہیں۔ سکھ دور میں جن دو سید خاندانوں کو خاصی بڑی زمینداریاں میسر آئیں، وہ رجوعہ اور شاہ جیونہ کے خاندان تھے۔ برطانیہ کے عہد میں ۱۸۵۶ء میں زمینوں کا پہلا بندوبست ہوا۔ اس وقت تک نہریں نہیں نکالی گئی تھیں اور علاقہ بڑی حد تک بے آباد تھا۔ اس بندوبست کے تحت رجوعہ اور شاہ جیونہ خاندان کے نام بڑے بڑے ٹکڑے لگا دیے گئے۔ انگریز نے یہ تقسیم قبیلہ وار کی تھی، جو قبیلہ عددی لحاظ سے زیادہ مضبوط اور انگریزوں کا زیادہ وفادار ہوتا تھا، اس کے نام بے آباد زمینوں کے وسیع رقبے کر دیے جاتے۔ رجوعہ اور شاہ جیونہ خاندان اسی پالیسی کے تحت بڑے بڑے رقبوں کے مالک بن گئے۔

فیصل صالح حیات، عابدہ حسین اور سید فخر امام:

اب دیکھیے! شاہ جیونہ کی گدی کے حوالے سے فیصل صالح حیات گدی نشین ہیں۔ وہ یہاں سے ایم این اے منتخب ہوئے اور بے نظیر کے دور میں وزیر تجارت رہے اور نصف کروڑ سے زائد کی رقم انھوں نے اپنے دربار کی تعمیر کے لیے حاصل کی۔

عابدہ حسین جو نواز شریف کے پہلے دور میں امریکہ میں سفیر تھی، وہ بھی اس علاقے میں ایم این اے اور ضلع کونسل کی چیئرمین رہ چکی ہیں۔ یہ شیعہ ہے اور ان کے شیعہ خاوند سید فخر امام جو ملتان سے تعلق رکھتے ہیں، وہ وہاں سے ایم این اے منتخب ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ عابدہ حسین فیصل صالح حیات کی رشتے میں پھوپھی لگتی ہیں۔

سلطان باہو کی گدی بھی......:

اسی طرح جھنگ ہی کے علاقے میں سلطان باہو کی جو گدی ہے، اس کے گدی نشین بھی بہت بڑے جاگیردار ہیں۔ ایم این اے اور ایم پی اے کی نشستیں ان کی بھی پکی ہوتی ہیں۔

اٹک کے مکھڑ پیر بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کی داستان بھی باقی پیروں سے ملتی جلتی ہے۔

مخدوم طالب الزماں مولیٰ:

پنجاب کے علاوہ سندھ میں چلے جائیں تو وہاں بھی صورتحال یہی ہے۔ ہالہ میں مخدوم طالب الزمان مولیٰ کا خاندان سرور نوح کی گدی کا جانشین بھی ہے، جاگیردار بھی ہے اور سیاست میں ممبریاں اور وزارتیں بھی ان کا حق ہوتا ہے۔

پیر پگاڑو:

پیر پگاڑو کے بڑے اور جد امجد پیر حضرت راشد کی گدی پیر جوگوٹھ میں ہے۔ یہ زمین کے مالک بھی ہیں، پیر بھی ہیں اور بادشاہ گر بھی، حتیٰ کہ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ ۱۸

اپریل کو لاہور میں جو سب سے بڑی سالانہ ریس (ڈربی) ہوئی تو میں اور قاضی کاشف نیاز یہاں پہنچے۔ مقصد یہ تھا کہ پیر صاحب آف پگاڑا سے بھی ملاقات ہو جائے گی، وہ تو نہ آئے البتہ ان کے صاحبزادے سابق وزیر پیر علی گوہر سے وی آئی پی سیکشن میں ملاقات ہوئی۔ ملاقات کافی دیر جاری رہی۔ اثنائے گفتگو مستقبل کے پیر پگاڑا اور گدی نشین پیر علی گوہر فرمانے لگے:

> ''اللہ نہ کرے...... اگر پاکستان نہ بھی رہے تو ہم تو پھر بھی رہیں گے، جب پاکستان نہ تھا ہم تو تب بھی تھے۔''

قارئین کرام! جاگیردار پیروں کی ساری تاریخ ملاحظہ کیجیے اور سوچیے کہ پیر صاحب کا جملہ کس قدر مبنی برحقیقت ہے کہ جن لوگوں کا مقصد ہر آنے والے کو سلام اور سلیوٹ ہو، بھلا ان کو کس بات کا خطرہ؟ ملک رہے نہ رہے، ان کی بلا سے۔ ان کی گدی سلامت رہنی چاہیے اور وہ صدیوں سے سلامت چلی آ رہی ہے۔

تو جناب طاہر القادری صاحب!:

میرا خیال ہے کہ اب تو جناب قادری صاحب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ انگریز کا ایجنٹ کون تھا؟ قبوری خلافت پر بیٹھنے والا گدی نشین یا سرحد کی چوٹیوں اور پہاڑوں کی وادیوں میں جہاد کرنے والا اہل حدیث......؟ ویسے تو آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح نواز شریف کے نوازش یافتہ ہیں۔

قارئین کرام! اب سوال تو یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کو صدیوں کے اس بندھن اور چنگل سے چھڑوائے گا کون؟ بہر حال پہلے تو کسی کو بات کرنے کا بھی یارا نہ تھا۔ اب کتابیں لکھی جا رہی ہیں، مضامین منظر عام پر آ رہے ہیں، آخر کبھی تو اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہو گی نا کہ اس کی مخلوق دنیا میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہے اور ان درگاہوں پر جا کر اپنی آخرت بھی برباد کر رہی ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے توحید کا پرچم ایک مدت سے تھامے ہوئے ہیں مگر ہم

جن کے ہمدرد ہیں وہ بھولے سے اپنے ہمدردوں کو، انگریزوں اور سکھوں سے لڑنے والوں کو...... وہابی کہہ کر گالیوں سے نواز رہے ہیں۔ بہر حال یہ دور اب بیت جانے کو ہے۔ جمہوری سیاست میں بھی اس نظام نے خوب استحصال کر لیا۔ اس ظلم و جبر، مادی اور مذہبی، خانقاہی اور درباری دیوار کو آخر ٹھوکر لگنی ہے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی فرزند کا تیغہ چل کر رہنا ہے اور محترم مجیب الرحمان شامی کے الفاظ میں ''ان خداؤں کے لیے تو محمود غزنوی کی ضرورت ہے'' بالآخر اس ضرورت کی تکمیل ہو کر رہنی ہے۔ (ان شاء اللہ!)



باب نہم

بوسہ پیر کے پیر خانے پر!

اور وہ ہستیاں جنھیں لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، وہ مردہ ہیں زندہ نہیں، انھیں تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے۔ (النحل: ۲۰ ۔ ۲۱)

''بوسہ پیر'' کے پیر خانے پر

اور نازنینوں کے معشوق مادھو پیر کی اصل کہانی!

''مجلۃ الدعوۃ'' میں پیروں اور مزاروں کی داستانوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، اللہ نے اس سے کئی لوگوں کو دولت توحید سے مالا مال فرمایا ہے اور ہمارے کئی قارئین نے اپنے علاقوں میں واقع مزارات پر ہونے والی خرافات کی رپورٹوں سے آگاہ بھی کیا ہے۔ ایسی ہی ایک رپورٹ گوجرانوالہ کے ایک قریبی گاؤں ''کوٹلی مقبرہ'' میں واقع ایک پیر کے عرس کی ہے۔ اس پیر کو'' نوواں والی سرکار'' یعنی ناخنوں والا پیر کہا جاتا ہے۔

لاہور میں گھوڑوں اور بلیوں والی سرکار تو موجود ہے جبکہ گجرات میں کانواں والی سرکار اور کراچی میں مگرمچھوں والی سرکار بھی موجود ہے مگر یہ جو ناخنوں والی سرکار ہے، یہ اب اس دنیا میں نہیں رہی مگر دھوم دھام سے اس کا عرس ہوتا ہے۔ اس عرس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے!

جب ہم بوسہ پیر کے پروگرام میں جا پہنچے:

ہم طے شدہ پروگرام کے مطابق اس گاؤں میں پہنچ گئے۔ گاؤں سے باہر عرس منایا جا رہا تھا۔ ہم عرس گاہ میں چلے گئے چونکہ سردیوں کا موسم تھا اس لیے پیر صاحب ایک بڑی چادر اوڑھے مریدوں کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ پیپلز پارٹی کی بیگم ریحانہ سرور جو معروف سیاسی لیڈر ہے، اسے اس عرس کا افتتاح کرنا تھا۔ چنانچہ بیگم صاحبہ مع اپنے حواریوں کے

کاروں کے ایک قافلے میں یہاں پہنچی اور افتتاح کیا، ساتھ ہی قوالی کا آغاز ہو گیا۔

پیر صاحب چونکہ لاہور سے تشریف لائے تھے اس لیے ان کے ساتھ لاہور سے بڑی تعداد میں مرید اور مریدنیاں بھی پہنچی ہوئی تھیں۔ اب قوالی سن کر ان پر وجد طاری ہو گیا اور پھر وجد کی حالت نے مزید ترقی یوں کی کہ دو عورتیں اور ایک مرد اٹھ کر ناچنے لگے، یہ ناچ ناچ کر پاگل ہوئے جا رہے تھے، تماشائی اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور پیر صاحب بھی اپنی مسند پر براجمان: ع

"ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم"

کے مصداق دیکھے جا رہے تھے۔ یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔ ہمیں تو نیند آ رہی تھی لہٰذا ہم آرام کی غرض سے گاؤں واپس چلے آئے۔

صبح جب آٹھ بجے تو ہم پھر یہاں پہنچ گئے، پیر صاحب نمودار ہوئے تو اردگرد مرید ہو لیے، کوئی ہاتھ باندھے کھڑا تھا...... کوئی سر جھکائے ہوئے تھا...... اور کوئی پاؤں پڑ رہا تھا۔

جب پیر صاحب نے اپنی لنگوٹی اتار کر کندھے پر رکھ لی:

بعض حضرت کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھے چل رہے تھے...... جبکہ پیر صاحب صرف ایک ڈھیلی ڈھالی لنگوٹی باندھے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے نہ جانے حضرت کو کیا خیال آیا کہ لنگوٹی کو لپیٹ کر کندھے پر ڈال لیا!!! حیا اور شرم اب یہاں سے بھاگ نکلی۔ تقدس کے لباس میں اب پیر صاحب مادر زاد ننگے تھے۔

متبرک ناخن کی زیارت:

پھر پیر صاحب نے اپنے گندے، کالے سیاہ اور میل کچیل سے بھرے ناخن کو نمودار کیا...... انگوٹھے کا یہ ناخن کافی لمبا تھا...... لوگ اس کی زیارت کر رہے تھے...... دلوں میں منتیں مان کر اسے دیکھ رہے تھے۔ صرف ناخن ہی کیا پورے کا پورا اور سارے کا سارا

"حضرت" ہی زیارت کے لیے موجود تھا...... اور زیارت ہوئی جارہی تھی۔

عورتیں اور مرد ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور بعض میدان میں ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے تھے۔ حضرت سب پر گشت کر رہے تھے۔ حضرت زیادہ تر لڑکیوں کے پاس جاکر کھڑا ہوتے...... اس دوران یہ بے چاریاں مارے شرم کے سر جھکا لیتیں۔ ان کے باپ اور بھائی بھی وہاں موجود ہوتے مگر عقیدت کے پردے میں یہ ساری بے عزتی برداشت کی جارہی تھی۔

کتوں کی طرح روٹی کھاؤ:

حضرت کا تکبر اور رعونت بھی دیدنی تھا۔ ایک جگہ حضرت صاحب کچھ زیادہ ہی وقت کھڑے رہے، تو ایک عورت حضرت کی دوربین نگاہوں کی تاب نہ لاسکی۔ اس لیے اس نے بھوک کا عذر کیا اور کہا کہ میں کھانا کھانے جا رہی ہوں، تب حضرت نے سختی سے ڈانٹ پلاتے ہوئے وہیں بیٹھنے کا حکم دیا اور خشک روٹی کھانے کو کہا۔ مزید حکم یہ دیا کہ ہاتھ لگائے بغیر یعنی کتوں کی طرح روٹی کھاؤ...... تب عورت زمین پر پڑی خشک روٹی...... کتے کی طرح کھانے لگی تھی...... یہ منظر انتہائی کرب انگیز تھا۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آرہا تھا...... غیرت ایمان ابل ابل کر مجھے ناخنوں والے درندے کو عبرت ناک سبق سکھانے کا کہہ رہی تھی...... مگر میں مجبور تھا، کیا کرسکتا تھا، خون کے گھونٹ پی کر ہی رہ گیا۔

اسی طرح ایک عورت کہہ رہی تھی کہ "پیر صاحب ہمیں ایک بیٹا دے کر اب ڈنڈے مارتے ہیں، ہماری فریاد سنتے ہی نہیں۔"

اس پگلی کو کوئی بتلاتا کہ یہ بیٹا جسے اب تو یہاں لے کر آئی ہے، یہ اس پیر نے نہیں دیا، دینے والا تو اللہ ہے، ہندو اپنے بتوں سے بیٹے مانگتے ہیں، تو کیا انھیں نہیں ملتے؟ وہ بھی اولادوں والے ہیں۔ اسی طرح مشرکین مکہ کو بیٹے نہیں ملتے تھے؟ سکھ جو بابا گورونانک سے اولاد مانگنے ننکانہ صاحب ہر سال آتے ہیں، تو بیٹے انھیں بھی ملتے ہیں...... تو پھر بات کیا ہوئی؟ اصل بات یہ ہے کہ دیتا تو سب کو اللہ ہی ہے مگر اہل شرک غیروں کے در پر جا کر اپنا

ایمان برباد کر لیتے ہیں۔ وگرنہ کیا جانوروں کو اولاد نہیں ملتی؟ انھیں بھی اللہ دیتا ہے مگر کوئی جانور کسی جانور کو اپنا مشکل کشا یا اولاد دینے والا نہیں مانتا۔ کیا کبھی کسی گدھے نے کسی گدھے کو سجدہ کیا ہے؟ کسی مردہ یا زندہ گدھے سے کسی گدھے نے بیٹا مانگا ہے؟نہیں مانگا...... بالکل نہیں مانگا...... تو پھر انسان ہی ایسا ذلیل اور نمک حرام ہے کہ اللہ کا بندہ ہوکر، اشرف المخلوقات ہوکر، اپنے جیسے انسان سے اور وہ بھی مردہ یا الف ننگے سے فریادیں کر رہا ہے۔...... یہ تو گدھے سے بھی ہزار گنا بدتر ہے۔

"اس لڑکی کو بوسہ دو" پیر صاحب کا جلالی حکم:

اسی طرح ایک نوجوان لڑکا جو اپنی ماں کے ہمراہ لاہور سے آیا ہوا تھا۔ وہ حضرت کو ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور منتیں کر کر کے تھک گیا۔ آخر بابا جی کو اس پر رحم آ ہی گیا اور اسے اپنے پاس بیٹھی ہوئی لڑکی کو بوسہ دینے کا حکم دیا، پھر کہا کہ "اس کی ٹانگوں کے نیچے سے گزرو۔" اب یہ منظر اس قدر شرمناک تھا کہ دیکھا نہ جاتا تھا مگر حضرت جی کے حکم پر دونوں کو یہ کرنا پڑا۔ یہ منظر دیکھ کر کئی لوگ وہاں سے چل دیے۔ لڑکا شرم کے مارے ذرا جھجکا تو حضرت کی طرف سے کئی من وزنی ایک غلیظ گالی نے لڑکے کو دھمکایا، تب وہ حکم بجا لایا۔ لڑکی کی شرم و حیا بھی آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھی مگر پیر صاحب کی نافرمانی بقول لڑکی کی ماں کے ایک بڑی آفت و مصیبت کا باعث بن سکتی تھی۔

دوسری طرف ایک اس سے بھی عجب صورتحال تھی اور وہ یہ کہ یہ حضرت اپنے گرد بیٹھنے والے مریدوں اور مریدنیوں کو ایک دوسرے کو بوسہ دینے کا حکم دیتے۔ بابا اس بوسے کو "بگھا" کہتا تھا۔ جو ایسا نہ کرتا، بابا اسے غلیظ گالیوں سے نوازتا۔

کھڑے کھڑے قضائے حاجت کرنا اور مریدنیوں کا دیوانہ وار لپکنا:

ایک دوسرا غلیظ ترین منظر یہ بھی تھا کہ بابا قبلہ رخ ہوکر کھڑے کھڑے قضائے حاجت کرتا اور مریدنیاں پانی کے لوٹے تھامے حضرت کی صفائی کرتیں۔ بعض لوگ یہ مناظر دیکھتے

اور وہاں سے چلنے کی کرتے مگر جو غیرت سوز عقیدت کے اسیر تھے وہ تو ان مناظر کو اکسیر جان رہے تھے۔ لاہور سے مرید کافی تعداد میں تھے، اکثریت کاروں پر آئی تھی۔

یہ حیا سوز مناظر دیکھ کر ہمارے سینوں میں ان لوگوں کے خلاف متواتر لاوا پک رہا تھا، جو بالآخر پھٹ پڑا اور اب ہم نے ابتدا کرتے ہوئے بابا کو مذاق کیا، چنانچہ اس کا ایک چیلا دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور لگا ہمیں ڈرانے دھمکانے کہ تم گستاخوں کو بابا جی تباہ کر دیں گے، بھسم کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم نے اس کی دھمکی کی پروانہ کرتے ہوئے یہ بے غیرتی ختم کرنے کا کہا۔ اس پر بابا گالی گلوچ پر اتر آیا۔ ادھر مرید بھی اکٹھے ہونے لگے۔ چنانچہ ہم ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر واپس آ گئے۔

قارئین کرام! جس پیر کی یہ رپورٹ آپ نے ملاحظہ کی ہے، یہ پیر دراصل لاہور کا رہنے والا ہے۔ اس کی ایسی ہی عادات و خصائل کے بارے میں مجھے کچھ عرصہ قبل میرے ایک دوست نے آگاہ کیا تھا۔ اس وقت تو میں نے اس کے پاس جانا مناسب خیال نہ کیا مگر اب ایسی رپورٹ ملنے کے بعد اس حضرت کے پاس جانا بھی ضروری ہو گیا۔اور ۲۶ فروری کو حضرت کی ملاقات کو نکل کھڑا ہوا۔

لوگوں سے پوچھتا، ڈھونڈتا اور تلاش کرتا ہوا آخر حضرت کے پیر خانے پر پہنچ ہی گیا۔ لوگوں سے پوچھتے ہوئے شرم آتی تھی، جب یہ کہنا پڑتا تھا کہ ہم نے "بوسہ پیر" سے ملنا ہے۔

زیارت کرنی ہے تو سعودی عرب جاؤ!:

بوسہ پیر جسے "بگھا پیر" اور "نوواں (ناخن) والا پیر" بھی کہتے ہیں، شالامار کے قریب اس کے پیر خانے پر پہنچ کر جب میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک عورت نکلی اور بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ دوسری دفعہ دستک دی تو پریشان بالوں والی ایک ادھیڑ عمر عورت دروازے پر آئی۔ میں نے اسے کہا: "حضرت کی زیارت کرنے آیا ہوں" تو وہ مجھ پر برس پڑی۔ میرے چہرے مہرے، لباس اور رومال سے شاید اس نے پہچان لیا کہ میرا سوال ابھی

ختم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ چھوٹتے ہی یوں گرجی...... "زیارت سعودی عرب جا کر کرو! یہاں کیوں آئے ہو، اٹھاؤ موٹر سائیکل اور بھاگو یہاں سے" اور پھر مغلظات بکنے لگی۔ اب عورت ذات کو کوئی کیا کہتا؟ چنانچہ میں خاموش رہا اور وہ اندر چلی گئی۔

زیارت کی قیمت:

اس کے بعد میں نے اس محلے کے ایک شخص سے کہا کہ میں تو اس حضرت کی شہرت سن کر آیا ہوں مگر یہ عورت اندر نہیں جانے دیتی، لہٰذا اب کیا کیا جائے؟ انھوں نے کہا کہ یہاں قریب ہی ایک ڈاکٹر ہے، وہ اکثر اس بزرگ کے پاس بیٹھتا ہے، اس سے کہہ کر ملاقات کرلو۔ میں نے اس سے مل کر بابا جی سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو جواباً اس نے اپنی خواہشوں کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ موٹر سائیکل پر میں اسے دو تین جگہوں پر بھی گھماتا رہا اور اگلے دن کے وعدے پر پھر وہاں پہنچا۔ اب وہ اس عورت سے میرے لیے بابا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اذن باریابی طلب کرتا رہا مگر ناکام رہا اور کہنے لگا:

"مائی کہتی ہے، پانچ صد روپیہ نذرانہ دو، تب ملاقات ہو سکتی ہے۔"

میں نے کہا:

"میرے پاس تو اتنے پیسے نہیں ہیں، بہرحال ویسے ہی کوشش کرو۔"

پی پی کی بیگم ریحانہ سرور اور بوسہ پیر:

تب ڈاکٹر کے پاس بیٹھی ایک بوڑھی مریضہ کہنے لگی: "بیٹا پانچ سو کی کیا بات ہے، یہاں تو لوگ ہزاروں روپے نذرانہ دے جاتے ہیں، عورتیں زیورات لے کر آتی ہیں۔ بیگم ریحانہ سرور تو روزانہ یہاں آکر حاضری دیتی ہے اور کہتی ہے:

"مجھے جو کچھ ملا ہے اس بابا جی سے ہی ملا ہے۔"

چنانچہ میں باہر نکلا تو بیگم ریحانہ سرور بھی اپنی گاڑی پر بابا جی کے لیے نذریں نیازیں لے کر پہنچ چکی تھی۔

میں نے اب ڈاکٹر سے کہا کہ اب میں کل یعنی ۲۸ فروری کو یہاں آؤں گا۔ چنانچہ میں اس روز پھر وہاں پہنچا۔ بھائی جمال دین سے کہا کہ گاڑی ذرا دور ہی کھڑی کر دو، کہیں مائی غصے میں آ کر گاڑی کا شیشہ ہی نہ توڑ دے کیونکہ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ بھئی! یہاں تو بڑے بڑے آفیسرز، ممبران اسمبلی اور دیگر مالدار لوگ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ انہی گالیوں اور ڈنڈوں سے ہی تو ہمارا کام سنورے گا۔

بہرحال...... آج میں ڈاکٹر کے واسطے وسیلے کے بغیر سیدھا اندر چلا گیا۔ اندر گیا تو آج وہ مائی گالیاں دینے والی اور ڈنڈے برسانے والی موجود نہ تھی اور بابا نوواں والا الف ننگا اپنی حویلی میں گشت کر رہا تھا۔ میں نے دروازے میں ہو کر بھائی جمال کو بھی بلا لیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ بیگم ریحانہ سرور جو بے نظیر بھٹو کی کابینہ میں وفاقی وزیر رہ چکی ہے، طرح طرح کی چیزیں بابا جی کے لیے اٹھائے پہنچ چکی تھی۔ وہاں ایک دوسری نوجوان عورت بھی تھی۔ اس نے ہمارا چہرہ مہرہ دیکھ کر ہمیں باہر نکلنے کا کہا۔ چنانچہ ہم باہر نکل آئے اور سوچنے لگے کہ یا اللہ اس ملک میں اس قدر جہالت ہے کہ جو آخری حدوں کو بھی پھلانگ چکی ہے۔ اس ملک میں یہ ایک ننگا بابا ہی نہیں کہ جس کی پوجا ہو رہی ہے بلکہ بے شمار ہیں۔ نہ جانے ان میں کتنے جاسوس ہیں اور کتنے قاتل اور اشتہاری ہیں کہ جو اپنا روپ تبدیل کیے ایک دم ولایت کی آخری منزل کو چھو چکے ہیں، کیونکہ صوفیوں کی دنیا میں الف ننگا ہونا ولایت کی آخری منزلوں میں سے ایک ہے، جسے ''مجذوب ولی'' کہا جاتا ہے۔

۱۹۶۵ء اور ۱۷ء کی جنگوں میں ایسے کئی مجذوب ولی گرفتار بھی ہوئے کہ جو ہندو کے جاسوس ثابت ہوئے تھے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ پاگل، جاسوس اور مجرم جب مرتے ہیں تو پھر عالی شان مقبرے بنتے ہیں اور پھر عرسوں کی صورت میں پوجا کا وہ دھندا شروع ہوتا ہے کہ جسے دیکھ کر یہ الفاظ بے ساختہ منہ سے نکلتے ہیں ؏

''یہ مسلماں ہیں کہ جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود''

ظفر وال میں سید حامد علی بخاری کے دربار کی حقیقت :

آج سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے، میں اس وقت ساتویں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اپنے شہر میں کیا دیکھتا ہوں کہ چار پائی پر ایک بابا لیٹا ہوا ہے، لوگ ڈھول بجاتے آرہے ہیں، اردگرد عورتوں اور مردوں کا ایک جم غفیر ہے۔ شہر کے مشہور چوک میں ایک عقیدت مند کے بڑے ہوٹل کے سامنے اس بزرگ کی چار پائی کو اتارا گیا تو وہ چار پائی پر بیٹھ گیا...... اسے کم سنائی دیتا تھا، بینائی اس کی زائل ہو چکی تھی...... فالج کی وجہ سے اس کی زبان میں لکنت تھی...... بلغمی کھنگاروں سے اس کا منہ اٹا پڑا تھا......اوراس میں سے وہ انتہائی غلیظ گالیاں دے رہا تھا......مگر مرید تھے کہ ٹوٹے پڑ رہے تھے...... کئی بابا کے منہ سے سگریٹ لگوا کر پی رہے تھے...... کئی عورتیں اپنے دوپٹوں سے اس کے منہ کی غلاظت انتہائی عقیدت سے صاف کر رہی تھیں...... بابا جسے گالی دے دیتا وہ اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کرتا۔

قارئین کرام! وہ بابا فوت ہو گیا۔ ایک مرید نے بیسیوں ایکڑ زرعی اراضی اس کے دربار کے نام پر وقف کر دی۔ ظفر وال ضلع شیخوپورہ کے قریب آج یہ دربار موجود ہے۔ سنگ مرمر کا بیش قیمت دربار ہے اور جو بزرگ کا نام ہے تو اس نام سے پہلے بے شمار القابات لگا کر سید حامد علی شاہ بخاری نام لکھا گیا ہے۔ کرامتیں بے شمار اس بزرگ کی مشہور ہیں اور یہاں علاقے کا بہت بڑا میلا لگتا ہے۔ ہم جیسے اس بزرگ کو دیکھنے والے بھی جب نہ رہیں گے تو آنے والی نسلیں کہیں گی کہ نہ جانے یہ بزرگ ولی جو سید ہے، بخارا سے آیا ہے، کتنا نیک تھا مگر لوگوں نے اس پر عرس لگا لیا ہے...... یہ بات تو وہ کہیں گے کہ جن کا عقیدہ کچھ درست ہو گا اور عقیدت مندوں کا حال تو اب بھی دیدنی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ جو دربار نظر آتے ہیں نہ جانے ان میں کتنے ہی ایسے بزرگ مدفون ہیں اور آئے دن یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

عضو مخصوص کی پوجا والا دربار!!:

اوراب خانقاہی نظام شرم وحیا کی حدود کو پھلانگتے ہوئے اس قدر آگے بڑھ چکا ہے کہ

کمالیہ کے علاقے میں ایک ایسا مزار بنا دیا گیا کہ جہاں انسان کے اس عضو کی پوجا شروع کر دی گئی ہے جس کا نام کوئی بھی مہذب شخص اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرتا۔ یہ اعضا وہاں لکڑی کے بنا کر رکھے گئے ہیں۔ تحقیق کے لیے میں خود وہاں پہنچا اور اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ دور دور سے عورتیں اولاد کے لیے یہاں آتی ہیں۔

غور فرمایے جب سرعام اور اعلانیہ صورتحال یہ ہو جائے تو پھر اندر کھاتے ان درباروں پر کیا ہوتا ہوگا، یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں...... یقیناً وہاں شیطان قہقہے لگا کر ہنستا ہوگا کہ خانقاہوں اور درباروں پر تقدس اور ولایت کا پردہ چڑھا کر جو کچھ میں کرا رہا ہوں اس پر لاہور کا تو شاہی محلہ بھی شرما اٹھتا ہوگا کہ جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔

ہم بڑوں سے سنتے تھے، کتابوں میں پڑھتے تھے اور عجائب گھروں میں پتھر کے مجسمے دیکھ دیکھ کر متعجب ہوتے تھے کہ ہندو کس قدر ذلیل ہے جو اس عضو کی پرستش کرتا ہے کہ جسے ڈھانپنے کا حکم ہے...... مگر آج وہی پلید کام اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں بھی ہو رہا ہے کہ جس کا نام پاکستان رکھا گیا ہے اور یہ کام وہ لوگ کر رہے ہیں جن پر اسلام کا لیبل اور عشق اولیاء کا ٹھپا لگا ہوا ہے۔

ہم جنس پرست پیر مادھو لال کے دربار پر:

عشق کی بات سے مجھے یاد آگیا، دسمبر ۱۹۹۱ء کے شمارے میں ہیر رانجھے کے دربار کے مشاہدات قلمبند کیے تھے، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ عشق کے مارے ہوئے اس دربار پر آکر فریادیں کرتے ہیں کہ جہاں ہیر رانجھا کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا ہے۔

ایسے ہی لاہور میں مادھو لال حسین کے آپس میں عشق و محبت کا بھی بڑا چرچا ہے اور ان کے دربار پر میلا چراغاں کے نام سے بہت بڑا میلا ہوتا ہے۔ شالا مار باغ کے پہلو میں ہی یہ دربار موجود ہے۔ بابا ناخنوں والا کے پیر خانہ کی زیارت سے فارغ ہو کر دل میں خیال آیا کہ مادھو لال حسین کو بھی دیکھ لیا جائے۔ شاید ہیر رانجھے کی طرح یہ دونوں بزرگ بھی ایک ہی قبر

ہی قبر میں پردہ فرمائے ہوئے ہوں۔ جب میں وہاں پہنچا تو یہ ایک قبر میں تو نہ تھے، قبریں تو الگ الگ ہی تھیں مگر مادھو کی قبر پر لکھا ہوا کتبہ بڑا معنی خیز تھا۔ کتبے کی عبارت کچھ یوں تھی:

مزار پر انوار، مرکز فیوض وبرکات

راز حسن کا امین، معشوق محبوب نازنین

محبوب الحق

حضرت شیخ مادھو قادری لاہوری

قارئین کرام! یہ حضرت مادھو کون سے حسن کے راز کا امین ہے؟ اور نازنین وہ لفظ ہے جسے شاعروں نے خوبصورت دوشیزاؤں کے لیے اپنی غزلوں اور اشعار میں اکثر استعمال کیا ہے۔ اب یہ نازنین کا معشوق اور محبوب ہے۔

گدی نشین سے ایک ملاقات:

چنانچہ میں اس دربار کے گدی نشین سے ملا اور میں نے یہاں کے گدی نشین اللہ رکھا سے پوچھا: ''ہم نے سنا ہے اور ایک دفعہ کسی اخباری آرٹیکل میں بھی پڑھا تھا اور آج کتبے کے الفاظ سے بھی اس کی تصدیق ہو رہی ہے کہ لال حسین اور مادھو کا آپس کا تعلق ٹھیک نہ تھا۔'' میں نے گدی نشین سے بات ایسے احسن انداز سے پوچھی کہ وہ برہم تو نہ ہوا مگر کہنے لگا: ''وہ تو جناب اولیاء تھے مگر نہ ماننے والے لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں۔'' اب میں نے پوچھا کہ ''اچھا! یہ بتلاؤ کہ حضرت مادھو صاحب جو ایک کھشتری ہندو تھے اور بقول آپ کے مسلمان ہو گئے تھے اور پھر بہت بڑے بزرگ اور ولی بھی بن گئے، تو انھوں نے اپنا نام کیوں نہ تبدیل کیا؟ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نئے مسلمان ہونے والوں کے شرکیہ نام بدل دیتے تھے، جیسے عبدالعزیٰ کا نام بدل کر آپ ﷺ نے عبداللہ رکھ دیا۔ تو مادھو تو خالص ہندوانہ نام ہے، ایک بزرگ نے اپنا نام کیوں نہ بدلا؟'' میرے سوال کا گدی نشین اللہ رکھا کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نام سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مادھو ہندو تھا اور آخر دم تک ہندو ہی

رہا۔ ہندو ہونے کی بنا پر ہی ہندو اس دربار سے خاص طور پر محبت کرتے ہیں۔ ہر سال زی ٹی وی مادھو کی تعلیمات کو حسن وعشق اور معرفت کے اعلیٰ ترین فلسفے کے رنگ میں پیش کرتا ہے اور اس کی تعلیمات کو انسانیت کے لیے محبت ابدی کا پیغام قرار دیتا ہے۔ ہر سال انڈیا کے زی ٹی وی کی ٹیم لاہور آتی ہے اور اس عرس کی تقریبات کی عکس بندی کر کے پوری دنیا میں دکھائی جاتی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندو ایسے گند کو عشق ومحبت کے نام سے مسلمانوں میں پھیلانے کے لیے کس قدر کوشاں ہے۔

مادھو کے نام سے اور اس کی قبر پر لکھے ہوئے کتبے سے ان لوگوں کے اس موقف کو تقویت پہنچتی ہے کہ مادھو ایک خوبصورت لڑکا تھا اور لال حسین یہاں کا کوئی ملنگ تھا، دونوں کا آپس میں جو تعلق تھا وہ کتبے سے جھلک رہا ہے مگر اب یہ پہنچے ہوئے ولی ہیں۔علاقے کے ایم۔ این۔ اے میاں عمر حیات نے یہاں سنگ مرمر کا خوب کام کروایا ہے اور اپنا نام بھی کندہ کروا دیا ہے۔ پنجاب بھر میں یہ بزرگ مشہور ہیں اور میلا چراغاں کے نام سے یہاں ہر سال ان دونوں کا بہت بڑا عرس ہوتا ہے۔ عرس کا معنی بھی شادی ہے اور دیکھنے والے کو معلوم بھی ایسے ہی ہوتا ہے کہ گویا دونوں بزرگوں کا عرس ہو رہا ہے۔

جناب لال حسین کا کتبہ بھی قابل ذکر ہے، مندرجہ ذیل القابات سے نوازا گیاہ:

''غوث الاسلام والمسلمین''

یعنی یہ لال حسین اسلام اور مسلمانوں کا فریاد رس ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں نے اپنے کئی غوث بنا رکھے ہیں۔ یہ تو سنا تھا...... مگر اسلام کا غوث آج پہلی بار دیکھ رہا تھا...... اور سوچ رہا تھا کہ اسلام تو اللہ نے نازل کیا ہے اور قرآن وحدیث کا نام اسلام ہے جبکہ قرآن وحدیث کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ نے خود اٹھا رکھا ہے تو یہ لال حسین اسلام کا غوث کیسے بن گیا؟ اسلام کے غوث تو اللہ کے رسول ﷺ بھی نہ تھے کہ جن پر اسلام نازل ہوا تھا مگر یہ اسلام کے غوث یعنی فریاد رس ہیں۔ (استغفر اللہ!) سچی بات تو یہ ہے کہ یہ اصطلاحیں سب عجمیوں کی پیداوار ہیں، اللہ کے دین کے ساتھ ان چیزوں کا نہ صرف یہ کہ

کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلاف کی تحریروں میں، عربی زبان کے ذخیرے میں بھی ان الفاظ کے استعمال کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دوسرا لقب لال حسین کو ''امام الاوتاد'' کا دیا گیا ہے۔ اللہ نے قرآن میں پہاڑوں کو بھی ''اوتاد'' کہا ہے۔ فرمایا:

وَٱلْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾ (النباء:٧)

''اور (ہم نے) پہاڑوں کو (زمین میں) میخیں بنایا۔''

فرعون کو بھی اللہ نے ''ذی الاوتاد'' کہا تھا یعنی وہ فرعون کہ جس نے اپنی مومنہ اور موحدہ بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دی تھیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ فرعون بڑی قوت والا تھا۔ پہاڑوں کو اوتاد کہنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ یہ زمین کو ملنے نہیں دیتے، بڑے مضبوط ہیں۔

تو اب یہ لال حسین بھی اوتاد کا امام ہے۔ اوتاد تصوف کی دنیا میں ولایت کا ایک مقام ہے۔ یعنی وہ ولی کہ جنھوں نے اس دنیا کو تھام رکھا ہے اور اب لال حسین ان تھامنے والے اوتادوں کا بھی امام ہے مگر اے قارئین کرام! میں اوتادوں کے اس امام کے دربار پر کھڑے ہو کر اس کے گدی نشین سے اس کی اصلیت کے بارے گفتگو کر رہا تھا تو اسی دوران میں اس دربار پر آنے والے ایک نوجوان کو کہ جو یہاں بڑی عاجزی اور انکساری سے دعاؤں میں مشغول تھا، اسے الگ لے جا کر توحید کی دعوت دے رہا تھا اور کافی دیر سمجھانے کے بعد وہ نوجوان کچھ سمجھ بھی گیا اور آئندہ سے اس نے ان درباروں پر نہ جانے کا وعدہ بھی کیا مگر ان کے خلاف میری اس کارروائی پر یہ دونوں اوتاد اپنے دربار پر، اپنی نگری میں میرے ایک بال اور رونگٹے کو بھی جنبش نہ دے سکے...... چلو میں تو ان کا باغی تھا، اپنے برگشتہ ہونے والے مرید کو ہی الٹا دیتے...... مگر نہ یہ کچھ کر سکتے تھے نہ انھوں نے کیا۔ ان بے چاروں کا تو اپنا نہ جانے کیا حال ہے؟

نقش قدمین رسول (ﷺ) مادھو کے دربار میں!!:

دربار سے ذرا ہٹ کر ایک حجرہ نظر آیا۔ جب میں یہاں گیا تو اندر چند عورتیں ایک شیشے کے بکس کے اردگرد حلقہ بنائے تلاوت میں مصروف تھیں۔ آگے بڑھ کر یہ بکس دیکھا تو اس میں پتھر پر دو قدموں کے نشان نظر آئے، جو کافی گہرائی میں کھدے ہوئے تھے۔ گدی نشین نے بتلایا: "یہ اللہ کے رسول ﷺ کے قدم مبارک ہیں۔" میں نے پوچھا: "اس بات کی کوئی دلیل یا کوئی تاریخی شہادت ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہی کے پاؤں کے نشان ہیں؟" مگر گدی نشین کوئی بھی دلیل نہ بتلا سکا، محض اتنی بات کی کہ اسے اکبر بادشاہ لایا تھا۔ وہ بادشاہ کہ جو خود بے دین تھا اور تاریخ سے بھلا ان ان پڑھ گدی نشینوں کو کیا غرض!! جبکہ نشان بھی زبان حال سے بول رہے تھے کہ ہماری کھدائی کسی ماہر سنگ تراش کا کمال ہے۔ بہر حال اللہ کے رسول ﷺ کے قدموں کے نام سے پتھر کی پوجا ہو رہی تھی۔ عورتیں تلاوت کے بعد اب شرکیہ اشعار بلند آواز سے گا رہی تھیں۔ اس پتھر کو ہاتھ لگا کر، بوسے دے کر اور سجدے کر کے اس کی عبادت میں مصروف تھیں۔

مجھے کعبے کا حجر اسود یاد آ گیا کہ یہ وہ پتھر ہے جو جنت سے آیا ہے۔ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے چوما ہے۔ آخری نبی امام الانبیاء ﷺ نے اس پر اپنے ہونٹ مبارک رکھے ہیں، مگر بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق آپ ﷺ کے تربیت یافتہ اور جلیل القدر صحابی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پتھر کو چومتے وقت اسے مخاطب کر کے کہا:

> "اللہ کی قسم! تو ایک پتھر ہے، نہ تو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ میں تجھے کبھی نہ چومتا اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا۔"

(صحیح بخاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الاسود: ۱۵۹۷)

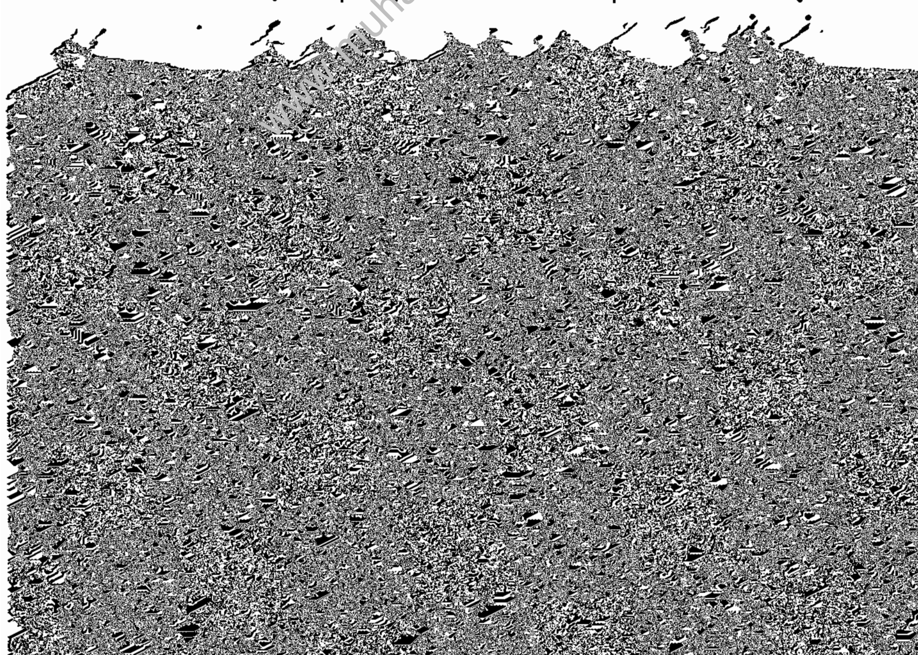
قارئین کرام! اب غور فرمائیے! یہ جو دربار اور عرس ہیں، کیا یہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں تھے؟ آپ ﷺ نے تو پکی قبر بنانے سے بھی منع فرمایا ہے مگر یہاں حال یہ ہے کہ ننگے لوگوں کی پوجا جاری ہے۔ انسان کے قابل ستر حصہ تک کی پرستش جاری ہے اور یہ

معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ بحمد للہ مجلۃ الدعوۃ میں ایسے مضامین کی متواتر اشاعت کے بعد اخبارات نے بھی اس جانب اب کچھ رخ کرنا شروع کیا ہے۔ ۲۸ فروری کے پاکستان میگزین میں ان ننگے ولیوں کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی گئی ہے اور پھر مختلف لوگوں کے تاثرات بھی قلمبند کیے گئے ہیں۔ عبدالباسط نامی قانون دان نے کہا ہے:

''صدر ایوب خان بھی ایک ننگے پیر کے مرید تھے جو مری کے جنگلات میں رہا کرتا تھا اور اپنے معتقدین کو گالیاں بکتا تھا اور پتھر مارتا تھا۔ اس وقت کی آدھی کابینہ اور ہمارے بہت سے جرنیل اس کے مرید تھے۔''

اسی طرح معروف قانون دان نعیم بخاری اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''چونکہ ہماری ثقافت کی جڑیں ہندو تہذیب و ثقافت کے ساتھ پیوستہ ہیں، اس لیے ہمارے ہاں ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ غلط ہیں جو کہتے ہیں کہ ہماری اپنی ثقافت محمد بن قاسم رحمہ اللہ سے شروع ہوئی ہے۔ ہم لوگ اپنی حقیقی روایات سے



اب اس نے ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے گانا ترک کیا...... لوگوں نے برا منایا کہ وہ ایسا نہ کرے، مگر وہ ڈٹا رہا...... یہاں تک کہ ۲۷ فروری کے جنگ اور روزنامہ پاکستان کی خبر ہے کہ......

ملتان میں راگ رنگ کی ایک محفل منعقد ہوئی۔ اس میں ملک کی معروف درگاہ تونسہ کے گدی نشین خواجہ محمد نصیر تونسوی بھی شریک تھے۔ یہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے مرشد ہیں۔ چنانچہ اس تقریب میں خواجہ صاحب نے اپنے مرید کو قرآن کریم پیش کرتے ہوئے دوبارہ گانا گانے کا حکم دیا۔ جس پر عطاء اللہ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور اس کے بعد حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے دربار پر اس کی دستار بندی کی گئی۔

قارئین کرام! غور کیجیے! کیا اس قوم پر اللہ کا غضب ٹوٹنے میں اب کوئی کسر باقی رہ گئی ہے کہ وہ قرآن کہ جو یہ وعید سنائے:

إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ﴿١٩﴾ (النور: ۱۹)

"وہ لوگ جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں فحاشی پھیلے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔"

یاد رہے! یہ گویا پن کہ جسے لوگ گلوگاری کہتے ہیں، یہ فحاشی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن اس فن کو سورۂ لقمان میں فضول باتوں کے خریدنے سے تعبیر کرتا ہے اور ایسے خریداروں کو رسوا کن عذاب کی وعید سناتا ہے۔

غور کیجیے! اس قرآن کو...... اللہ کی اس کتاب کو ایک گدی نشین اس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے کہ اس کا واسطہ دے کر اپنے مرید کو کار فحاشی دوبارہ شروع کرنے کا حکم دیتا ہے...... آہ! قرآن کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا مذاق ہوگا؟

قارئین کرام! سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام کہ جسے خانقاہی نظام کہتے ہیں، جسے درباری نظام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی سرشت، فطرت اور اٹھان ہی میں فحاشی، اخلاق باختگی اور حیا سوزی شامل ہے۔ جنوری ۹۲ء کے مجلّے میں عیسائیوں کے خانقاہی نظام کی ایک تاریخی جھلک ہم نے پیش کی ہے، وہ ملاحظہ کرلیں اور اپنے ملک کی گدیوں کا حال دیکھ لیں...... یہی کچھ ملے گا...... کہ یہاں شرک بھی ہے اور فحاشی بھی جبکہ شرک وہ گناہ ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ (النساء: ۱۱٦)

''بلاشبہ اللہ شرک ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جو چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ تو بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے۔''

قارئین کرام! اب اللہ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث ملاحظہ کیجیے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر آدمی شرک نہ کریں تو بڑے سے بڑا گناہ بھی عذاب کے بعد یا عذاب کے بغیر ہی معاف ہوسکتا ہے مگر شرک معاف نہیں ہوسکتا اور پھر جب شرک کے ساتھ فحاشی اور زنا بھی ہو تو اللہ کا عذاب کس قدر بھڑکے گا...... تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ کے اوپر سفید کپڑا تھا اور آپ سوئے ہوئے تھے۔ دوبارہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو اس وقت آپ جاگ چکے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی شخص ''لا الٰہ الا اللہ'' (کلمۂ توحید) کہے گا پھر اسی پر مرے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' میں نے کہا: ''اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے'' میں نے پھر کہا: ''اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا، اگرچہ وہ زنا

اور چوری کرے۔'' میں نے تیسری بار کہا تو اب بھی آپ ﷺ نے یہی کہا:
''اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔''

(بخاری، کتاب اللباس، باب الثیاب البیض : ٥٨٢٧ ۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی من مات لایشرك بالله دخل الجنة : ٩٤)



باب دھم

اسلام آباد کا مشکل کشا

(اے نبی!) کہہ دیجیے میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ (قیامت کے روز) میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے اور تمھارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔
(الاحقاف : ۹)

اسلام آباد کا مشکل کشا

بری بری امام بری

اسلام آباد کے شمالی کنارے پر نور پور شاہاں میں بری امام کا عرس ہو رہا تھا۔ کشمیر جاتے ہوئے سوچا کہ اس بار دار الحکومت اسلام آباد کے کنارے پر اسلام کے نام پر ہونے والے اس عرس کو دیکھا جائے۔ عربی زبان میں عرس کا معنی ''شادی'' ہے اور جس لڑکی کی شادی ہو رہی ہو، اس کے دلہا کو ''عریس'' کہا جاتا ہے جبکہ دلہن کو ''عروس'' بولا جاتا ہے...... اور پھر اس شادی سے متعلقہ لباس کو ''لباس عروسی'' اور پہلی رات کو ''شب عروسی'' کہا جاتا ہے۔ ہم جب پہنچے تو بری امام کا عرس یعنی شادی ہو چکی تھی اور اب شب عروسی کا ہنگامہ بپا تھا۔

آیئے! پہلے تو آپ کو امام بری کی شادی دکھلاؤں اور پھر شب عروسی کا تذکرہ کروں۔ ایک شادی تو وہ ہے جو ہمارے معاشرے میں ہر جوان کی ہوتی ہے اور ایک شادی وہ ہوتی ہے جس کی سرپرستی چھوٹی چھوٹی بچیاں کرتی ہیں۔ ایک محلے کی دو سہیلیاں عرس کا پروگرام بناتی ہیں۔ ایک سہیلی کپڑے کی گڑیا بناتی ہے اور دوسری کپڑے کا دلہا بناتی ہے۔ پھر ان دونوں کا عرس ہوتا ہے۔ ان کے لیے ایک مکان بھی بنایا جاتا ہے۔ یہ مکان شہر کی بچیاں بازار سے خرید لیتی ہیں، جو لکڑی کا ایک چھوٹا سا ماڈل ہوتا ہے اور گاؤں کی غریب بچیاں اور

بچے ریت یا مٹی کے ڈھیر پر آجاتے ہیں اور وہاں مکان بناتے ہیں، عرس کرتے ہیں اور جب دل بھر جاتا ہے تو سب مل کر اس مکان کو یہ کہہ کر ڈھا دیتے ہیں:

''ہتھاں نال بنایا سی......پیراں نال ڈھایا سی''

یہ ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا کھیل مگر ہمارے ملک میں ساٹھ ساٹھ ستر ستر سال کے معصوم ہیں جو مٹی کی ڈھیریوں پر بابوں اور بزرگوں کی شادیاں (عرس) کرتے ہیں۔

مریدوں کے تحائف کی قدر دانی:

ان بے شمار عرسوں میں اب بری امام کا عرس ہو رہا تھا۔ لوگ دربار کے چھوٹے چھوٹے تعزیہ نما ماڈل اور گھر بنا کر لائے تھے۔ بابے کے عرس پر انھوں نے یہ تحائف پیش کیے تھے، مگر ہم نے دیکھا کہ یہ تحائف دربار کے ایک کونے میں اوپر نیچے پھینک دیے گئے ہیں۔ ہم نے دربار کے ایک مجاور سے پوچھا:

''یہ اس طرح سے کیوں پھینکے گئے ہیں، کیا یہ گستاخی نہیں؟''

مجاور اس کا کوئی جواب نہ دے سکا مگر تھوڑی دیر بعد ہم سمجھ گئے کہ ''ہاتھوں سے بنا کر پیروں سے ڈھانے'' والا معاملہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہندو خود ہی اپنے ہاتھوں سے مٹی کے بت بناتے ہیں، پھر خود ہی ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں اور جب یہ بت خستہ ہو کر ٹوٹ پھوٹ جائے تو اسے گرا کر اپنے ہاتھوں سے دوسرا معبود بنا لیتے ہیں۔

بری امام کی شب زفاف:

بات دراصل یہ تھی کہ بری امام کی شادی ختم ہو چکی تھی اور اب دربار کے اندر کسی کو جانے نہیں دیا جا رہا تھا۔ زائرین ہزاروں کی تعداد میں منتظر تھے مگر سب باہر کھڑے تھے پھر اچانک ایک بزرگ باہر نکلے۔ لوگ اسے تبرکاً ہاتھ لگاتے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے جسموں پر پھیرنے لگتے۔ کئی ان کے پاؤں پڑ رہے تھے اور کئی یہیں سجدہ ریز ہو رہے تھے، بہرحال اب اندر جانے کی اجازت ملی تو قبر کے گنبد والے دروازے بند ہو چکے تھے۔ قبر کے احاطے

کے اندر کی لائٹیں بھی بجھا دی گئی تھیں، ہم نے ایک مجاور سے پوچھا: ''بھئی! یہ سب کیوں ہے؟'' تو وہ کہنے لگا:

''بری امام کی براتوں والا مرحلہ تو مکمل ہو گیا، اب تو اندر بری سرکار کی بری رکھ دی گئی ہے اور آج کی رات سرکار کی شب زفاف (سہاگ رات) ہے۔ ہر سال عرس کے موقع پر یہ ایک رات بری سرکار کی ''شب زفاف'' ہوتی ہے۔ ابھی ہم نے اندر حلوہ رکھا ہے، دودھ اور پانی رکھا ہے، مہندی رکھی ہے، اندر کی لائٹیں بھی بند کر دی گئی ہیں۔ اب تو پچھلی رات کو ہی دروازہ کھلے گا اور پھر سارا سال کھلا رہے گا۔ صبح کے وقت ہر چیز آدھی آدھی ہو گی جبکہ مہندی پر ''سرکار کا پنجہ'' لگا ہو گا۔ مطلب یہ کہ شب زفاف میں مہندی کو سرکار نے استعمال کیا ہے۔ صبح کے وقت باقی ماندہ دودھ، حلوہ اور پانی باہر نکالا جائے گا اور پھر وہ دوسری چیزوں میں ملا کر بطور تبرک استعمال میں لایا جائے گا۔''

تو یہ تھی بری امام کی بری، مہندی، برات اور شب زفاف جو اسلام آباد کے ایک کونے میں اسلام کے نام پر منائی جا رہی تھی۔

نواز شریف اور بری امام:

نواز شریف کی حکومت کو جب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے بحال کیا تو نواز شریف بھی بری امام پر آئے اور چادر چڑھا کے گئے۔ ہم نے اس وقت بھی جناب نواز شریف سے کہا تھا کہ آپ شرک و بدعت کو گلے لگانا چھوڑ دیں اور کتاب و سنت کے فرماں بردار بن جائیں...... تو اللہ تعالیٰ یہ اقتدار تاحیات بخش سکتا ہے مگر نواز شریف نے اقتدار بحال ہوتے ہی اسلام آباد کے اس ''مشکل کشا'' کے پھیرے لگانا شروع کر دیے۔

قارئین کرام! یہ کھیل چونکہ چالیس چالیس پچاس پچاس سالہ معصوموں کا ہے، اس لیے ہم اس پر کیا کہیں؟ وگرنہ نواز شریف کابینہ میں کوئی صاحب خرد مشیر ہوتا تو مشورہ دیتا کہ

جناب وزیر اعظم! اگر چادر چڑھانا ہی تھی تو بری امام پر چڑھانے کی بجائے جسٹس نسیم حسن پر چڑھا دیتے کہ اسمبلی کو تو انھوں نے بحال کیا تھا اور اگر پختہ عمارت پر ہی چادر چڑھائی جا سکتی ہے تو پھر اسلام آباد کی اس خانقاہی عمارت کی بجائے سپریم کورٹ کی عمارت کے اس کمرے کی چھت پر چڑھا دیتے کہ جس چھت کے سائے تلے اسمبلی کی بحالی کا فیصلہ ہوا تھا۔

پروفیسر غفور...... جماعت اسلامی اور بری امام:

بہر حال ہم نواز شریف یا ان کے کسی مشیر کو کیا کہیں کیونکہ یہاں اسلام آباد میں وزیر بن کر جماعت اسلامی کے وزیر پروفیسر غفور احمد نے بھی اس مشکل کشا پر چادر چڑھا ڈالی تھی، تو جہاں اسلام کے وزیر کہ جنھوں نے اسلام کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا، اس بوجھ کو بری امام پر ڈال گئے تو دوسرے وزیروں اور وزرائے اعظموں کو پھر کیا کہا جائے؟

پروفیسر غفور احمد والا طرز عمل ہمیں فیصل مسجد کے قریب بھی دکھائی دیا کہ جب ہم وہاں ضیاء الحق کی قبر پر پہنچے تو افغانستان کی جماعت اسلامی کہ جس کا نام ''حزب اسلامی'' ہے، اس کے امیر حکمت یار کی طرف سے وہاں پھولوں کی چادر کا تحفہ آویزاں دیکھا۔ اس پر حکمت یار کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔

دربار اور فلمی دنیا:

جس طرح خانقاہی درباروں کی دنیا سینہ بسینہ اور سنی سنائی باتوں اور دیو مالائی قصوں پر چلتی ہے، اسی طرح فلمی دنیا کی کہانی بھی افسانہ نگار گھڑتے ہیں اور پھر وہ سینہ بسینہ کہانی سکرین پر چلنا شروع ہو جاتی ہے۔ دو روپے دے کر ناظرین سب کچھ دیکھتے ہیں اور جب گیٹ سے باہر آتے ہیں تو وہ جیسے جاتے وقت تھے، ویسے کے ویسے ہی نکلتے وقت ہوتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی منچلا فلمی دنیا سے متاثر ہو کر راہ چلتی ہوئی کسی بے پردہ لڑکی کو چھیڑتا ہے تو سلیپر کھا کر فلمی دنیا کی بجائے حقیقی دنیا میں لوٹ آتا ہے اور کوئی تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی چلا جاتا ہے۔ اب جیل میں وہ بھی بری بری پکارتا ہے تو نہ اس کی

ہتھکڑیاں ٹوٹتی ہیں اور نہ بیڑیاں بکھرتی ہیں بلکہ سر پر جیل کے داروغوں کے چمڑے والے جوتے پڑتے ہیں۔

اب وہ سوچتا ہے کہ یہ کیا ہوا؟ سینما کی سکرین پر تو اس نے دیکھا تھا کہ ہیر رانجھا کی راہ میں جب رکاوٹیں کھڑی کی گئیں تو ان رکاوٹوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ رانجھا جیل میں پہنچ گیا مگر وہاں جیل میں اس نے دربار والے بزرگ کو پکارا، لاہور کے علی ہجویری صاحب کے دربار کا عکس سینما کی پردہ سکرین پر رونما ہوا، سید گنج بخش فیض عالم کی قوالی نے زور پکڑا اور پھر زور سے ہتھکڑیاں اور پاؤں کی بیڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ مگر اب کیوں نہیں بکھرتیں......؟ اسی طرح فلموں میں ایسے مواقع پر شہباز قلندر، دما دم مست قلندر، علی دا پہلا نمبر اور نور جہاں کے یہ شرکیہ بول

پاک پتن تے میں آن کھلوتی
اور بری بری امام بری
میری کھوٹی قسمت کرو کھری

کے بول جب سینما کی سکرین پر نمودار ہوں گے تو سینما بین ان درباروں کا رخ تو کریں گے اور پھر وہاں دھمال بھی ہو گی، ناچ بھی ہو گا، ڈھول بھی ہو گا اور بہت کچھ ہو گا۔ غرض ان درباروں کی رونق کو دوبالا کرنے میں نور جہاں اور مہدی حسن کی گلوکاری کا بھی اہم کردار ہے۔

روحانی محصول چونگیاں:

یہی وجہ ہے کہ اب درباروں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور مزید جدت یہ پیدا ہوئی ہے کہ یہ بزرگ پہلے تو آبادیوں، بستیوں اور شہروں میں فوت ہوتے تھے مگر اب یہ سڑکوں کے کناروں پر فوت ہونے لگے ہیں۔ اب آپ کسی بھی سڑک پر چلیں، ہر اہم موڑ پر دربار دکھائی دے گا اور مجاور خزانے کی ''صندوقچی'' کے پاس سبز پرچم

لیے ایستادہ ہو گا اور ہر ویگن، کار اور اس کے مسافروں کی طرف دیکھے گا اور اگر کوئی روپیہ پھینک دے تو یہ یوں جھپٹے گا جیسے مرغی کا چوزہ کھنگار پر لپکتا ہے۔

یاد رہے! ہم نے ''کھنگار'' کا لفظ استعمال کیا ہے وگرنہ فقر و مستی کے بزرگوں نے تو ان نوٹوں کہ جن کا نام دنیا ہے، کا نام ''مردار'' رکھا ہے اور یہ کہ ہم نے تو انھیں مرغی کا چوزہ کہا ہے، کچھ اور نہیں کہا، وہ نہیں کہا کہ یہ لوگ خود کو جس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سوانح ''حضرت بری امام'' کے جو مصنف ہیں، وہ اس کتاب میں اپنی صفت یوں بیان کرتے ہیں:

اک بولی اک کھندے کتے میں آکھ نوٹ کتورا

آن ڈھگا در تیرے ستاہا پاؤ کرم دا ٹورا

بہرحال یہ جو بزرگ ہیں، اب سڑکوں کے کناروں کو بھی چھوڑ کر وسط میں آنا شروع ہو گئے ہیں، یوں گورنمنٹ کی محصول چونگیوں کے ساتھ ساتھ یہ روحانی اور درباری محصول چونگیاں بھی روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔

آگ کا الاؤ اور بری امام:

قارئین کرام! اس دربار سے جب ہم نکلنے لگے تو ایک کونے پر ایک کمرے میں آگ کا الاؤ روشن تھا، لوگ کہتے ہیں: ''اسے جب سے بری امام نے روشن کیا ہے تو تب سے یہ بجھا نہیں۔'' لوگ اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے اور دھویں سے پر اس کمرے میں سے وہ راکھ اٹھا رہے تھے۔ اب کوئی اس راکھ کو کھائے گا اور کوئی سر میں ڈالے گا!!

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرو کہ رب تعالیٰ نے ہمیں مٹی کی ڈھیریوں پر سجدہ ریز ہونے سے، خاک سر میں ڈالنے سے، کتا اور سگ میراں بننے سے بچا لیا ہے۔ ہمیں تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی زندگی ہی کافی ہے کہ جسے اللہ نے ہمارے لیے نمونہ بنایا ہے اور اس زندگی میں ان خرافات کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھوں سے ان خرافات کی تباہی اور بربادی ثابت ہے۔ تو امام الانبیاء کے اسوہ کی دعوت ہم

نے یہاں کے ایک مجاور کو بھی دینے کی کوشش کی اور کچھ دوسرے لوگوں کو بھی۔ اللہ انھیں شرک اور توحید میں فرق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)



باب یازدھم

بابا دھنکا

تم لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہو وہ تو تمھارے جیسے بندے ہی ہیں، انھیں پکار کر دیکھ لو، انھیں تمھاری پکار کا جواب دینا چاہیے۔ اگر تم سچے ہو۔
(الاعراف : ۱۹٤)

بابا دھنکا

نواز شریف کے سیاسی مرشد ضیاء الحق تھے تو بے نظیر کا سیاسی راہ نما اس کا والد ذوالفقار علی بھٹو تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے سیاسی مخالف اور جان کے دشمن تھے۔ یوں نواز شریف اور بے نظیر کے سیاسی راستے جدا جدا ہیں۔ یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ دونوں دو دو بار وزیراعظم بن چکے ہیں۔

ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ عورت ذات جس قدر بھی دلیری اور ذہانت وغیرہ کے دعوے کرے، یہ بہر حال اس کی فطرت میں ہے کہ وہ مرد کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ مثال کے طور پر جناب نواز شریف اپنے سیاسی مرشد جنرل ضیاء الحق کی طرح عمرے بہت کرتے ہیں تو بے نظیر نے بھی عمرے شروع کر دیے ہیں۔ محترم نواز شریف بوسنیا کے دورے پر گئے تو محترمہ بھی وہاں جا پہنچی۔ اسی طرح نواز شریف صاحب نے صوبہ سرحد میں ایک نانگے بابے کو اپنا مرشد بنایا تو بے نظیر نے بھی اسی نانگے بابے کو اپنا مرشد بنا لیا۔ اس بابے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو ''سوٹے'' مارتا ہے۔ چنانچہ جناب نواز شریف وہاں سے ''سوٹا'' یعنی لٹھ کھا کر آئے تو ان کے پیچھے بے نظیر بھی وہاں جا پہنچی اور ''سوٹی'' یعنی لاٹھی کھا آئی۔ پاکستان کی دو بڑی سیاسی شخصیتیں اب جب بابا دھنکا سے لاٹھیاں کھا کر آئیں تو اخبارات میں چرچا ہوا اور یہ بتایا گیا کہ جناب نواز شریف جو وزیراعظم بنے تھے تو بابا سے لاٹھیاں کھا کر وزیراعظم بنے تھے اور پھر بے نظیر بھی لاٹھیاں کھا کر وزیراعظم بن گئی۔

ان خبروں کے بعد دلی خواہش تھی کہ اس بابا کو دیکھوں کہ جس کی لاٹھیاں ملک کے وزیر اعظموں پر برستی ہیں۔ اب اتفاق کی بات ہے کہ بالاکوٹ کی جامع مسجد اہل حدیث میں میرا خطبہ جمعہ رکھ دیا گیا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے جامع مسجد کے خطیب مولانا محمد صدیق صاحب سے بابا کا ذکر کیا اور پھر ہم ''مانسہرہ'' میں مولانا مسعود الرحمان جانباز کے ہاں جا ٹھہرے۔ صبح ہوئی تو ہم ''دھنکا بابا'' کی ملاقات کو چل دیے۔

ہم نے چلتے ہوئے ایک لاٹھی بھی لے لی تھی کیونکہ مجھے وزیر اعظم نہیں بننا تھا، لہٰذا میں کیوں لاٹھی کھاتا؟ چنانچہ لاٹھی لے لی کیونکہ ہم لاٹھیوں والے بابے کے پاس جا رہے تھے۔ مولانا مسعود الرحمان جانباز گاڑی چلا کر رہے تھے اور میرے ذہن میں کچھ اس طرح کا منظر بن رہا تھا کہ بابا جسے ننگا کہا جاتا ہے، سرتاپا ننگا نہ ہوگا تو نیم برہنہ ضرور ہوگا اور چونکہ ایسے ننگے پاگلوں کو ہمارے ہاں ''مجذوب ولی'' کہا جاتا ہے اور یہ جو مجذوب ولی ہیں ان میں سے کوئی بازاروں میں گھومتا ہے اور راہ چلتی عورتیں شرم سے ایک طرف ہو جاتی ہیں اور کوئی اپنی گدی پر بیٹھا اپنے مریدوں کو گالیاں دیتا ہے اور گالیاں سن کر مرید سمجھتے ہیں کہ ہماری مراد پوری ہو گئی تو یوں یہ بابا لوگوں کو لاٹھیاں مارتا ہے۔ چنانچہ یہاں کے لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہوں گے اور یہ مجذوب بابا لاٹھی ہاتھ میں پکڑتا ہوگا اور لوگوں کو مارتا ہوگا، جس کے لاٹھی لگ گئی وہ بامراد ہو جاتا ہوگا۔

تین کروڑ کی گرانٹ اور ہیلی پیڈ:

میں یہ سوچ رہا تھا کہ مانسہرہ سے دربند والی سڑک سے ہم دائیں طرف چلنے لگے، بڑی خوبصورت وادی ہے، حسین و جمیل مناظر تھے اور آخر کار ۴۵ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے ہم ایک قصبے ''لساں نواب'' جا پہنچے۔ یہاں سے سات کلومیٹر کی مسافت طے کرنا ابھی باقی تھا۔ سڑک کا یہی وہ حصہ ہے کہ جسے پختہ کرنے کی منظوری نواز شریف نے اپنے دور حکومت میں دی تھی اور اب اس پر عمل ان کی ''پیر بہن'' بے نظیر کروا رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ سڑک کا یہ

دشوار گزار راستہ تین کروڑ روپے کی گرانٹ سے مکمل ہو گا، جسے اب بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ تین چار کلو میٹر ہم چلے ہوں گے کہ راستہ بہت ہی دشوار آ گیا۔ اب مولانا جانباز صاحب کی سوزوکی کار میں ہمت نہ تھی کہ وہ آگے بڑھتی۔ سو اسے ہم نے یہیں چھوڑا اور پیدل چل دیے۔ پہاڑ کاٹنے اور راستہ بنانے میں بلڈوزر لگے ہوئے تھے۔ خیر ہم نے یہ راستہ طے کیا اور پھر ایک پہاڑی پر چڑھے، اس کی چوٹی پر ہیلی کاپٹر اترنے کے لیے ''ہیلی پیڈ'' بنا ہوا تھا۔ یہی وہ ''ہیلی پیڈ'' ہے کہ جہاں پیر بھائی بہن اپنے مرشد سے لاٹھیاں کھانے کے لیے ہیلی کاپٹر سے اترتے ہیں۔ ہم بھی اس وقت اس ''ہیلی پیڈ'' پر اترنے کی بجائے چڑھ آئے۔ ہیلی پیڈ کے سامنے مسجد تھی اور مسجد کے ساتھ دربار کا دروازہ تھا۔ دروازے پر لکھا تھا:

''رحمت اللہ دیوانہ بابا''

اس دروازے سے جب ہم داخل ہوئے تو سامنے ایک چھوٹا سا میدان تھا، جس کے دائیں جانب دیوار پر لکھا ہوا تھا۔ ''ننگا بابا'' ......اور بائیں جانب یہی بابا اپنی گدی پر نشین تھا۔

ہم بھی لاٹھی لے کر بابا کے سامنے آ گئے:

ہمارے ذہن میں مجذوب بابا کا جو روایتی تصور تھا، بابا اس کے برعکس تھا۔ وہ ایک لمبا سا کرتا پہنے اپنی گدی پر بیٹھا تھا، جو زمین سے تقریباً تین فٹ بلند تھی۔ گدی پر چھپر بھی پڑا تھا اور بابا ہاتھ میں لاٹھی تھامے، پاؤں پر وزن ڈالے بیٹھا تھا۔ مرید آگے بڑھ رہے تھے اور بابا ان کی کمر پر آہستہ آہستہ دو لاٹھیاں مار دیتا اور سینے پر دو کچوکے لگا دیتا۔ ہم کھڑے یہ منظر دیکھنے لگے اور پھر بابا کے ملنگوں نے ہمیں کہا: ''آپ بھی آگے آئیں۔'' ہم دائیں سمت سے آگے بڑھے مگر ملنگوں نے کہا کہ سامنے سے آئیے۔ اب ہم دونوں ساتھی سامنے سے آگے بڑھے۔ بابا نے اوپر سے لاٹھی بلند کی اور ادھر ہم نے نیچے سے اپنی لاٹھی آگے کر کے بابا کو باور کرا دیا کہ لاٹھی ہمارے پاس بھی ہے اور ساتھ ہی میں نے اسے منع کر دیا کہ لاٹھی نہیں

مارنی، مصافحہ کرو۔ مولانا مسعود الرحمان جانباز نے ہاتھ آگے کیا مگر بابا نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ تب میں نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور بابا سے کہا:

"مصافحہ کرنا اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے لہٰذا آپ مصافحہ کریں۔" اس پر وہ کہنے لگا: "یہ لاٹھی علی (رضی اللہ عنہ) کا مصافحہ ہے جو مجھے ملا ہے۔" میں نے کہا: "علی رضی اللہ عنہ کے مصافحے کا طریق کار بھی وہی تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کا تھا اور وہ ہاتھ سے تھا، نہ کہ لاٹھی سے۔" میری اس گفتگو سے بابا گھبرا گیا۔ بابا کو اب کوئی بات نہ آئی تو وہ غصے (صوفیوں کی زبان میں جلال) سے بڑبڑانے لگا۔ تب ملنگوں نے ہمیں کہا کہ ادھر آجایئے۔" اب ہم ملنگوں کی طرف ہو گئے۔ انھوں نے ہمیں بابا کی نیاز "کھانے" دیے مگر مولانا جانباز نے یہ کہہ کر ان کی پیشکش رد کر دی کہ "ہم ناشتہ کر کے آئے ہیں۔"

وہابی، وہابی کی رٹ:

بابا کی گدی کے ساتھ ایک کمرا تھا جو مجھے وی آئی پی روم ہی دکھلائی دیتا تھا۔ وہاں ایک ملنگ بیٹھا تھا۔ میں نے سوچا کہ چلو اب اس ملنگ سے ملتے ہیں۔ میں نے اپنے قدم اس کی طرف اٹھائے تو باقی ملنگوں نے ہمیں پوچھا کہ "کام کیا ہے؟" میں نے کہا: "کمرے میں بیٹھے حضرت سے ملنا ہے۔" تو وہ کہنے لگے: "آپ یہاں بیٹھیں وہاں نہیں جا سکتے۔" تب میں نے بھی دھنکا بابا کے پہلو میں زمین پر بیٹھنے سے انکار کر دیا تو وہ ملنگ جو اندر بیٹھا تھا تو ہمارے پاس آ گیا۔ مگر اب "دھنکا بابا" نے مخصوص انداز میں کہنا شروع کر دیا۔

"وہابی حضرات......وہابی حضرات"

سب لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھنے لگے۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوتا گیا کہ وہ بابا مجذوب ولی نہیں ہے جو سڑکوں پر نظر آتے ہیں بلکہ یہ سب کچھ سمجھتا ہے اور اچھا خاصا چالاک انسان ہے۔ اس نے یہ جو کاروبار بنایا ہے تو یہ اس کی چالاکی کا شاہکار ہے۔ موجودہ دور کا چلن یہی ہے کہ جیسے ہی قرآن و حدیث کی دلیل دی جاتی ہے تو فوراً

وہابی وہابی کہنا شروع کر دیتا ہے تو یہی وار بابا نے کر دیا ہے۔ اس سے بابا کی حقیقت ہم پر منکشف ہوگئی، جس کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہوگی اور وہ اچھی صحت رکھنے والا انسان تھا۔

نواز شریف اور بے نظیر کے پیچھے پیچھے جتوئی بھی پہنچ گئے:

خیر اب ہم یہاں سے چل دیے، واپس ہیلی پیڈ پر بڑی آزادی سے گھومنے لگے، پیچھے مڑ کر دیکھا تو ملنگ حضرات چھتوں پر چڑھ کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے یقیناً یہ بڑا تعجب خیر منظر تھا کہ آج تک اس دور دراز علاقے میں کوئی ایسا انسان نہ آیا تھا کہ جو نہ صرف لاٹھیاں کھانے سے انکار کر دے بلکہ حضرت صاحب سے گفتگو کر کے اسے لاجواب بھی کر دے۔ یہ تو وہ گدی ہے کہ جہاں نواز شریف اور بے نظیر لاٹھی کھا گئے اور......اب ہمارے وہاں جانے سے ایک ہفتہ پہلے غلام مصطفیٰ جتوئی بھی لاٹھیاں کھا کر گئے۔ اس امید پر کہ شاید وہ بھی دوسری بار وزیر اعظم بن جائیں۔ وزیر حضرات کی یہاں لائن لگ گئی تھی اور سب آرہے تھے، بابا دھنکا سے لاٹھیاں کھانے کے لیے۔

مگر ہم تھے کہ یہاں آکر بابا کو درس دے گئے تھے۔ یہی بات ان کے لیے پریشانی کا موجب تھی۔ اور شاید وہ یہ سمجھے ہوں کہ نہ جانے یہ کتنے بڑے لوگ ہیں جو اس قدر دلیری کر گئے ہیں مگر انھیں کیا معلوم کہ یہ تو مسکین لوگ ہیں، رب کے غلام اور ادنیٰ بندے ہیں جو جھوٹے خداؤں کی دھوکا بازیوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کے پس پشت اگر کوئی قوت ہے تو وہ صرف اور صرف ان کے رب کی ہے، جو ساری کائنات کا خالق اور قادر مطلق ہے۔ اسی رب نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا جو ہمیں دور سے دیکھ رہے تھے اور ہمارے سامنے اف تک نہ کر سکے تھے اور ان کا بابا جو لوگوں کو وزارتیں بانٹتا ہے، اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ جن پر میں لاٹھی اٹھا رہا ہوں یہ کون ہیں؟ اور یہ کہ میرے مقابلے میں وہ بھی لاٹھی لائے ہیں۔ پھر وہ نہ ہماری باتوں کا جواب دے سکا اور نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکا۔ بس بڑبڑاتا رہ گیا، غصے میں کباب ہو کر وہابی کہتا رہ گیا مگر ہمارا بال بھی

بیکا نہ کرسکا، لاٹھی نہ مار سکا۔ غرض اس وقت ہماری عملی کیفیت ان لوگوں کے لیے جو بابے سے نفع ونقصان کی امیدیں وابستہ کرکے لاٹھیاں کھا رہے ہیں، قرآن کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھی :

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا  (المائدة: ٧٦)

"کیاتم اللہ کے علاوہ ان لوگوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ تمھارے نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے۔"

پردہ اٹھتا ہے:

دھنکا کی بستی سے ہم واپس "لساں نواب" آئے، "نانگے بابا" کی حقیقت جاننے کے لیے ہم نے یہاں کے لوگوں سے رابطہ شروع کیا، معلومات اکٹھی کرنا شروع کیں تو ہماری ملاقات شیخ محمد امین کلاتھ مرچنٹ سے ان کی دکان پر ہوئی۔ حاجی علی نواز جو چمڑے کے سوداگر ہیں، انھیں بھی یہاں بلا لیا گیا۔ یہ بزرگ آدمی تھے، بڑے سمجھدار اور سنجیدہ بزرگ۔ انھی دونوں بزرگوں نے "لساں نواب" میں مسجد توحید محمد یہ بنائی ہے۔ یہ ہیں تو دیوبندی مگر لوگ انھیں وہابی کہتے ہیں۔ ہم نے جب ان کے سامنے اپنا مقصد بیان کیا، "بابا دھنکا" سے اپنی ملاقات کے بارے میں آگاہ کیا اور مولانا جانباز صاحب نے انھیں میرے بارے میں بتلایا کہ یہ شرک کے اڈوں کے پول کھولتے ہیں اور اسی مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں تو انھوں نے ہمیں خوش آمدید کہا، مہمان نوازی کی۔ حاجی علی نواز کہنے لگے :

"میں ہوں تو دیوبندی مگر حق کے لیے اہل حدیث کی جرأت کا معترف ہوں اور آپ سے محبت کرتا ہوں۔"

اسی طرح شیخ محمد امین کہنے لگے:

"یہاں تو نواز شریف اور بے نظیر کے آنے کے بعد "بابا دھنکا" کی پوجا بہت بڑھ

گئی ہے، ہم تو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے جا رہے تھے کہ یہ فتنہ کس قدر بڑھ گیا ہے اور شہرت پا گیا ہے۔ ہماری تو یہ خواہش تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ آئے جو اس فتنے کی اصلیت سے لوگوں کو آگاہ کرے۔ ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ ہماری اس خواہش کو اللہ نے پورا کر دیا ہے، چنانچہ آپ کو دیکھ کر ہمیں بڑی خوشی ہو رہی ہے۔''

اس کے بعد ان دونوں بزرگوں نے جو معلومات دیں، وہ اس طرح ہیں۔

نواز شریف کے داماد کیپٹن صفدر کا نذرانہ:

بستی دھنکا کے قریب ایک بستی ہے جس کا نام ''جسگراں'' ہے۔ یہ ننگا بابا وہیں کا رہنے والا ہے۔ جسگراں میں ایک بابا ہوا کرتا تھا جو دیوانہ سا تھا۔ لوگ اس کی پوجا کیا کرتے اور اتفاق سے جس محلے میں وہ رہتا تھا، یہ رحمت اللہ (جو دھنکا کے نام سے مشہور ہو گیا ہے) بھی اسی محلے اور اسی گلی کا رہنے والا تھا۔ ۱۹۵۷ء میں یہ بابا فوت ہو گیا۔ اب اس کا مزار بن چکا ہے اور حال ہی میں نواز شریف کے داماد کیپٹن صفدر نے جو مانسہرہ کا رہنے والا ہے، اس کے گنبد کی تعمیر کے لیے ایک لاکھ روپیہ نذرانہ دیا ہے۔

دھنکا بابا کو چپ کیوں لگ گئی؟:

رحمت اللہ جو اب دھنکا اور دیوانہ بابا بن چکا ہے، تب یہ جوان تھا اور جسگراں کا ایک غریب آدمی تھا۔ مزید برآں اس پر تنگ دستی ایسی طاری ہوئی کہ اس کے پاس جو زمین تھی...... وہ بھی ''رہن'' کی نذر ہو گئی اور پھر یہ تنگ آ کر محنت مزدوری کرنے کراچی چلا گیا۔ وہاں کارخانوں اور فیکٹریوں میں کام کرتا رہا۔ اس دوران یہ بیمار ہو گیا حتیٰ کہ قوت مردانہ سے محروم ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کی بیوی سے بھی علیحدگی ہو گئی۔ تب اس کے پاس اس کا ایک ہی لڑکا تھا جس کا نام عبدالستار ہے۔

ان حالات کا اس پر یہ اثر ہوا کہ یہ چپ چپ رہنے لگا اور پھر ''جسگراں'' سے اٹھا اور ''دھنکا'' میں آ گیا۔ یہاں رحمت اللہ ولد مہند علی عرف ''مہندا پیر'' بن بیٹھا۔ تب آہستہ آہستہ

اس کی پوجا شروع ہوگئی، مرید بننے شروع ہوگئے، نذریں، نیازیں اور چڑھاوے چڑھنے لگے اور پھر اس کے دن یوں پھرے کہ گروی رکھی ہوئی زمینیں ہی واپس نہ آئیں بلکہ مزید بھی خرید لی گئیں...... خستہ مکان کی جگہ اچھے مکان بن گئے اور مانسہرہ کے بہترین علاقے میں اس کے بیٹے عبدالستار اور بھائی سمندر خان کی کوٹھیاں بن گئیں، کاروں کے مالک بن گئے اور اب جب سے نواز شریف اور بے نظیر اور دیگر بڑے بڑے لوگ اس کے مرید بنے ہیں تو اب تو اللہ ہی جانتا ہے کہ دولت و ثروت کی کس قدر ریل پیل ہے۔

نواز شریف دھنکا بابا کے مرید کس طرح ہوئے؟:

میں نے ان دونوں بزرگوں سے پوچھا: ''نواز شریف لاہور سے اٹھ کر اس دور دراز بستی کے ایک گمنام بابا کے پاس کیسے پہنچے؟ مانسہرہ میں انھوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ کیا تو کیا یہ رشتہ دار اس کا سبب بنے ہیں؟'' جواب ملا کہ ''رشتہ دار بھی مرید تو ہیں مگر نواز شریف کے یہاں پہنچنے کا سبب اور ہے۔ ہوا اس طرح کہ ''جھوکاں گراں'' کی بستی جو ہمارے ''لساں نواب'' سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کی ایک لڑکی کی شادی جمالی خاندان میں ہوئی، جو کراچی میں رہتا ہے۔ اس لڑکی نے جمالی خاندان میں ''دھنکا بابا'' کا تعارف کروایا کہ ہمارے علاقے میں ایک بزرگ رہتا ہے، جو بڑا کرنی والا ہے وغیرہ وغیرہ...... اور پھر یہ شہرت سن کر ظفر اللہ جمالی کی والدہ یہاں آئیں اور پھر جمالی صاحب خود یہاں آگئے۔ اتفاق سے ان دنوں بلوچستان میں انھیں کوئی سیاسی مہم در پیش تھی، جو سر ہو گئی۔ چنانچہ ان کا یقین پختہ ہو گیا اور انھوں نے اس کا تذکرہ نواز شریف صاحب سے کر دیا۔ تب جونیجو لیگ نہیں ہوا کرتی تھی اور جمالی صاحب نواز شریف صاحب کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ نواز شریف صاحب یہاں آگئے...... پھر ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بے نظیر آئی......اور پھر تو لائنیں لگ گئیں۔''

بابا کے بارے میں لوگوں کے عقائد:

بابا کے بارے میں لوگوں میں پھیلے ہوئے عقائد کئی طرح کے ہیں اور کسی بھی گدی کی کامیابی کے لیے یہ بڑا ضروری ہے کہ سینہ بہ سینہ مختلف کرامتیں اور مافوق الفطرت باتیں پھیلا دی جائیں، تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ مرید بنیں اور نذر و نیاز دیں اور جب کسی پڑھے لکھے آدمی سے ملاقات ہو، وہ اعتراض کرے تو بڑی آسانی سے کہہ دیا جائے کہ ''جی یہ تو عوام کی باتیں ہیں، حضرت ایسا نہیں کہتے۔'' غرض حضرت کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ سالہا سال سے ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں، دن رات کے بیٹھے ہوئے، اب نہ وہ سوتے ہیں اور نہ کھاتے پیتے ہیں، نہ قضائے حاجت کرتے ہیں اور جو بھی کسی مائع چیز کا پیالہ پیتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد قے کر دیتے ہیں۔

قارئین کرام! جہاں تک نہ سونے کا تعلق ہے یہ تو صرف اللہ کا وصف ہے، جس کا قرآن حکیم میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

﴿ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵)

''اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔''

جبکہ اللہ کے رسول ﷺ بھی سوتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک جہادی سفر میں آپ ﷺ نے رات کے وقت ایک جگہ قیام کیا، پہرے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو متعین کیا اور کہا کہ صبح ہمیں اذان دے کر جگانا مگر ان کی بھی آنکھ لگ گئی اور سورج کی تمازت نے اللہ کے رسول ﷺ کو جگایا۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: ''جگایا کیوں نہیں؟'' انھوں نے کہا: ''جس نیند نے آپ ﷺ پر غلبہ پا لیا، اسی نے مجھے مغلوب کر لیا۔'' اسی طرح کھانے پینے کا معاملہ ہے تو عیسائیوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر یہ عقیدہ بنا لیا کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ میں اللہ ہے تو اللہ نے ان کی اس بات کا جواب دو لفظوں میں یوں دیا:

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ ﴿٧٥﴾ (المائدۃ: ۷۵)

''وہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے۔''

یعنی یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک انسان کھانا نہ کھائے اور جو کھانا کھائے گا...... وہ مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو بھی کھانا کھائے گا وہ حاجت بھی ضرور کرے گا۔

لوگو! جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ وضاحتیں کر کے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کر رہے ہیں، تو یہ بابا بے چارہ کیا شے ہے...... یہ فراڈیا ہے اور اس کے فراڈوں کو اس کے علاقہ کے لوگ جانتے ہیں۔ البتہ اس کی یہ جو کرامت ہے کہ ''وہ نامرد ہو چکا ہے'' ہمارے خیال میں یہ مفید ہے کہ اس کا کم از کم اتنا تو فائدہ ہوگا کہ جو دیگر پیروں کے بارے میں اخبارات میں پڑھنے کو ملتا ہے کہ فلاں جعلی پیر، فلاں مرید کے گھر سے مریدنی لے اڑا اور فلاں دربار پر یہ کچھ ہوتا ہے......تو شاید اس گدی پر اس نامردانہ کرامت کی وجہ سے بچت اور تحفظ ہو جائے...... وگرنہ صورتحال تو یہاں بھی کچھ اس طرح ہے کہ دور دور سے مرید اور مریدنیاں یہاں آتے ہیں، رات یہاں ٹھہرتے ہیں اور صبح کو دعا کروائی جاتی ہے، جو یہ حضرت کرتے ہیں۔ پھر لوگ یہاں سے پیدل یا سواری میسر آئے تو اس پرلساں نواب آتے ہیں اور یہاں سے پھر اپنی منزل کو روانہ ہوتے ہیں۔ ہم نے ان مریدوں اور مریدنیوں میں...... پنجاب کے لوگ بھی دیکھے، سرحد کے پٹھان بھی دیکھے اور دارالحکومت سے آئے ہوئے عقیدت مند بھی دیکھے اور واپس مانسہرہ آ کر مانسہرہ کے بہترین علاقے ڈب میں پھکوال روڈ پر دو کوٹھیاں بھی دیکھیں کہ ایک پر دھنکا بابا کے بھائی کا نام سمندر خان لکھا ہوا تھا اور نیچے ''جسگراں شریف'' لکھا ہوا تھے، جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ بابا دھنکا کس طرح دولت جمع کر رہا ہے۔

پیر بھائی بہن کے لیے ایک مشورہ:

شرک کے ان مراکز اور ضعیف الاعتقادی کے اڈوں کو ختم ہونا چاہیے۔ ہماری یہ بات تو کوئی ماننے سے رہا، الا یہ کہ اللہ کسی حکمران کو یہ توفیق دے دے، باقی حکمرانوں کے عقیدے

کے مطابق ہم آخر میں ایک مشورہ دے سکتے ہیں۔ ہمارے اس مشورے کا تعلق ایک ''اصطلاح'' سے ہے، جسے ''پیر بھائی'' کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک پیر کے مرید آپس میں پیر بھائی کہلواتے ہیں۔ اب ''دھنکا بابا'' کے مرید نواز شریف بھی ہیں اور ان کے بعد اسی پیر کے پاس لاٹھیاں کھا کر بے نظیر بھی نواز شریف کی پیر بہن بن گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیر ایک ہے تو سیاست کیوں جدا جدا ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ یہ سیاست یونہی ''پھڈے بازی'' کا شکار رہے گی جب تک کہ یہ دونوں بھائی بہن سچے پیر بھائی بہن نہ بن جائیں اور سچے بننے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں خلوص دل سے اپنے اس پیر کو اسلام آباد لے آئیں، یہاں اسے اس کے نام ''ننگا بابا'' کے مطابق اسم با مسمیٰ بنا کر وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بٹھائیں۔ پھر ساری دنیا کے حکمرانوں کو پاکستان کے دورے کروائیں۔ یہ امریکہ کا صدر کلنٹن آرہا ہے۔ اسلام آباد کے پرائم منسٹر ہاؤس میں ننگا بابا کو ننگا دیکھ کر وہ سمجھے گا کہ پاکستان ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور جب اسے دو ''ڈنڈوں'' کا پروٹوکول ملے گا تو پاکستان سپر پاور بن جائے گا اور امریکہ اس کی نوآبادی میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہی حال باقی ملکوں کا ہو جائے گا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مریدوں کو وزرائے اعظم بنوانے کا تجربہ تو کامیاب نہیں رہا۔ اب دھنکے بابے کے دونوں مرید وزیر اعظم بھی کامیاب نہیں ہو پا رہے اور خود ان بے چاروں میں اتنی سکت نہیں کہ وہ وزیر اعظم بن جائیں۔ وہ صرف لوگوں کی مشکل حل کر سکتے ہیں، اپنی نہیں حل کر سکتے، لہٰذا مریدوں کو چاہیے کہ پیر صاحب کے مقام کا خیال کریں اور میرٹ کے لحاظ سے نمبر بابا دھنکا کا ہی ہے۔ لہٰذا نواز شریف اور بے نظیر پیر بھائی بہن کو اپنے پیر کا خیال کرنا چاہیے اور اب یہ کام کر دینا چاہیے اور اگر بوجوہ وہ اس پر آمادہ نہ ہوں تو پھر کم از کم ہمارا مشورہ یہ ہے کہ تین کروڑ روپے کی رقم ضائع نہ کریں، لوگوں کو بھی مصیبت میں نہ ڈالیں کہ وہ ان کی تقلید میں دور دراز سے یہاں آتے ہیں۔ اسی طرح وزرائے اعظم بھی بابا حضور کی زیارت کے لیے اسلام آباد سے یہاں حاضری دینے آتے ہیں۔ وہ سرکاری خرچہ کا بھی خیال کریں کہ ہیلی کاپٹر اور ہیلی پیڈ پر کس قدر خرچ اٹھتا ہو گا۔

لہٰذا وہ براہ کرم اسے اٹھا کر اسلام آباد لے آئیں تا کہ وقت اور پیسے کی زیاں کاری نہ ہو۔

آخری مشورہ:

محترم میاں صاحب! مندرجہ بالا جو مشورہ ہم نے دیا، حقائق کی دنیا میں عقل و خرد کی ترازو میں تولتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ یہ نا قابل عمل ہے تو بے شک یہ غلط نہ ہو گا لیکن یہ تو دنیا کا معاملہ ہے، یقین جانیے! دین کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اہم اور پر حقیقت ہے۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ جس کام کو ہم دنیاوی معاملے میں فضول سمجھتے ہیں، دین کے معاملے میں اسے درست خیال کرتے ہیں......؟ اس کا تو صاف صاف مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملے میں ہم سنجیدہ ہی نہیں۔ کیا کعبہ میں جانے کے بعد، لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ...... کہنے کے بعد بھلا ان پاگل اور فراڈیے پیروں، سادھوؤں، ملنگوں وغیرہ کے دروازوں پر جا کر ڈنڈے کھانے کو دل چاہتا ہے۔ آخر وہ دل کیا ہے؟...... کس کا بنا ہوا ہے؟ کس کے پیچھے چلتا ہے؟...... کس قدر غیر حساس ہے جو یہاں کھینچ لاتا ہے؟......

حجر اسود کو چومنے کے بعد بھلا کسی اور پتھر کو چومنے کی کسر باقی رہ جاتی ہے؟ اللہ کے لیے آیئے!...... سیاست کے لیے اسلام کو قربان نہ کیجیے...... دنیا کے لیے اپنی آخرت کو ذبح مت کیجیے...... اقتدار کے لیے عقیدۂ توحید پر چھری مت چلایے...... پیروں اور گدیوں کے حوالے سے تعلق مت بنایے...... بلکہ کعبہ کے حوالے سے، توحید کے عقیدے کی اساس پر اللہ سے محبت کرنے والوں سے محبت کیجیے...... اس لیے کہ قیامت کے روز سب دنیاوی محبتیں دم توڑ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ٱلۡأَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذِۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ إِلَّا ٱلۡمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ يَٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ ٱلۡيَوۡمَ وَلَآ أَنتُمۡ تَحۡزَنُونَ ﴿٦٨﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِـَٔايَٰتِنَا وَكَانُواْ مُسۡلِمِينَ ﴿٦٩﴾ ٱدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ أَنتُمۡ وَأَزۡوَٰجُكُمۡ تُحۡبَرُونَ

﴿يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ (الزخرف: ٦٧- ٨٢)

''اس روز سوائے پرہیز گاروں کے سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمزدہ ہو گے۔ وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے (ان سے کہا جائے گا) تم اور تمھاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ، تمھارا خیر مقدم ہو گا۔ ان پر سونے کی رکابیوں اور جام کا دور چلے گا۔ اس جنت میں انھیں وہ سب کچھ ملے گا جسے ان کا دل چاہے اور آنکھیں لذت اٹھائیں (اور ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ) تم اس میں ہمیشہ رہو اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیے گئے ہو، ان نیک اعمال کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔''

یاد رکھیے! شرک ایک مکروہ عمل ہے، اس کے ارتکاب سے جنت کا داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اللہ ہم سب کو اس ظلم عظیم سے بچائے اور توحید کی نعمت سے نواز کر جنت کا وارث بنائے۔ (آمین!)

قارئین کرام! جو تازہ ترین صورتحال ہے وہ یہ ہے کہ میاں نواز شریف اب تیسری بار پاکستان کے وزیراعظم بنے ہیں۔ وہ ایٹمی دھماکا بھی کر چکے ہیں اور دھماکا کرنے کے بعد جب لاہور میں آنے کا پروگرام بنایا گیا تو شیڈول اس طرح تھا کہ وہ ایئر پورٹ سے داتا دربار جائیں گے لیکن جب وہ ایئر پورٹ سے روانہ ہوئے تو مسجد شہداء پر آ کر انھوں نے جلوس ختم کر دیا۔ یہ بڑا احسن اقدام تھا۔ یہ انڈیا کے لیے بھی پیغام تھا کہ ہم ایٹمی قوت تیار کرنے کے بعد جس منزل کی طرف گامزن ہیں وہ شہادت ہے اور یوں وہ ایک قبر پر جا کر شرکیہ

اعمال بجالانے سے بھی بچ گئے۔ انھوں نے إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٤﴾ کا جونعرہ قوم کو دیا اس پر عمل بھی کر دکھایا اور اب ۲۲ اکتوبر کے نوائے وقت، جنگ اور خبریں نے ان کی بیگم کا انٹرویو شائع کیا ہے۔ اس میں محترمہ کلثوم نواز شریف کہتی ہیں:

میرا اللہ پر کامل یقین ہے، میں تعویذ گنڈے اور جادوٹونے پر قطعاً یقین نہیں رکھتی، میرے بیگ میں کوئی تعویذ نہیں ہوتا، نہ ہمارا کوئی پیر ہی ہے۔ بلکہ ہمارا اللہ سے براہ راست تعلق ہے جو ہماری مشکلات دور کرتا ہے، میں نے اپنی ساس و سسر سے صرف اللہ ہی کے آگے جھکنا سیکھا ہے۔''

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں توحید و سنت کی نعمت سے نوازے اور اس پر قائم رکھے۔ یہ محض اللہ کی توفیق سے ایسا ہوا کہ کتاب وسنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دے دیا گیا...... اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

